مشہور تاریخی واقعات

مرتّب

سیّد نصیر احمد جامعی

بیگم ہمایوں ٹرسٹ (رجسٹرڈ) لاہور

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

مشہور

تاریخی واقعات

یعنی

عبرت ناک واقعات

مرتبہ

سید نصیر احمد جامعی

اشاعت دوم سنہ ۱۹۶۹ء

بیگم ہمایوں ٹرسٹ (رجسٹرڈ)، لاہور

★ تعداد : ۲۰۰۰

★ ایڈیشن : دوم

★ پریس : مکتبہ جدید پریس

★ قیمت : چھ روپے

اگست ۱۹۶۹ء

پیشِ لفظ

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ کتاب بائیس ۲۲ "مشہور تاریخی واقعات" کا مرقع ہے جو حیرت انگیز ہیں اور عبرت ناک بھی۔

اس کے مطالعہ سے قارئین کو معلوم ہو جائیگا کہ یہود اور نصاریٰ سے مسلمانوں کو اتنا نقصان نہیں پہنچا جتنا کہ اُن کو خود مسلمانوں کے ہاتھوں پہنچ رہا ہے۔

احسن برادرز کی اجازت سے میں اس کتاب کا دوسرا اڈیشن بیگم ہمایوں ٹرسٹ (رجسٹرڈ) لاہور کی جانب سے شائع کر رہا ہوں۔

پہلے اڈیشن میں کتابت کی کئی غلطیاں رہ گئی تھیں جو بڑی احتیاط سے دور کر دی گئی ہیں۔ اس ضمن میں میں میاں منظور احمد قادری ایم اے گوہیرہ کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے بڑی محنت سے اس کام کو سر انجام دیا ہے نئے اڈیشن میں ضروری سرخیاں اور صفحات کے نیچے حواشی بھی درج کر دیئے گئے ہیں جن سے مجھے امید ہے کہ کتاب کی افادیت بڑھ جائے گی۔

مُصنّف نے جس محنت اور درد سے ان تاریخی واقعات کو قلمبند کیا ہے وہ ملک وملت کے فائدہ کے لئے ہے اُمید ہے کہ لوگ بڑی دلچسپی سے اسے پڑھیں گے اور عبرت حاصل کریں گے۔ موجودہ دور کے چند واقعات مثلاً "بالا کوٹ"۔ دِلّی کی بیٹیا،، اور مشرق وسطیٰ پر چند انقلابی مقالے ایسے ہیں جن کا مُطالعہ یقیناً فوری طور پر اچھی رہنمائی کر سکتا ہے

با اختیار لوگوں کے لئے یہ کتاب اور بھی زیادہ مفید اور سبق آموز ثابت ہوگی کیونکہ ان تمام لرزہ خیز واقعات کی تہ میں اکثر ایسے ہی لوگوں کی ہوس اقتدار اور طلب جاہ وجلال نمایاں ہے جن سے غداری اور رشوت کی تصویریں سامنے آجاتی ہیں ؛

خاکسار

محمد نصیر ہمایوں

کچھ کتاب کے بارے میں

اسلامی تاریخ میں ہمیں بیشمار ایسے عظیم الشان اور محیّر العقول کارنامے اور واقعات ملتے ہیں جن کو پڑھ کر ہمارے سر فخر و مباہات سے بلند ہو جاتے ہیں، شجاعت و جرأت کے واقعات، قربانی و ایثار کے واقعات، فیاضی و دریا دلی کے واقعات، عفو و درگزر کے واقعات عدل و مساوات کے واقعات، رواداری و بے تعصبی کے واقعات، رحم و کرم کے واقعات، علم و کمال کے واقعات۔ لیکن ہمیں ایسے واقعات بھی ملتے ہیں جو بڑے دردناک، افسوسناک اور المناک ہیں۔ ان میں چند تو ایسے ہیں جن کے نتائج بہت دوررس تھے اور جن کا اثر آج تک باقی ہے بعض واقعات ایسے ہیں جو ہمیں اپنی ناچاقی اور نااتفاقی کی وجہ سے دیکھنا پڑے۔ بعض ایسے ہیں جب غیروں نے ہم سے انتقام لیا اور ہم اتنے بے بس اور عاجز تھے کہ ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے بعض واقعات ایسے ہیں جو نہایت افسوسناک ہیں مگر صبر و تحمل اور ایثار و قربانی کے لحاظ سے اپنی مثال نہیں رکھتے بعض ظلم و ستم اور سنگدلی کے شخصی اور انفرادی واقعات ہیں اس کتاب میں اس قسم کے واقعات کو جمع کیا گیا ہے ہر واقعہ سے کوئی نہ کوئی سبق ملتا ہے ؀

لاہور

۱۵ مارچ سنہ ۱۹۶۲ء

سید نصیر احمد جامعی

فہرست

گذارش احوال

صدرِ اول کے مسلمانوں نے سچے دل سے اسلام کے اصولوں پر عمل کیا تو اللہ پاک نے گنتی کے چند برسوں میں اپنا یہ وعدہ پورا کر دیا کہ:۔

اگر تم مومن بن گئے تو تم ہی سر بلند ہو گے۔

روم اور ایران کی ترقی یافتہ سلطنتیں جنہیں بجا طور پر اپنے فوجی ساز و سامان اور تہذیب و تمدن پر ناز تھا۔ ان کے سامنے بھٹکیں لیکن وہ جس طرف بڑھے فتح و ظفر نے ان کے قدم چومے ہر قدم نے اپنا پرچم ان کے قدموں پر جھکا دیا۔ اور بالآخر پوری دنیا کو یہ بات تسلیم کرنی پڑی کہ کوئی طاقت ان مجاہدوں کا راستہ نہیں روک سکتی جو راہ راست سے بھٹکے ہوئے انسانوں کو خدا کا پیغام سنانے کے لئے نکلے ہیں۔

یورپ۔ افریقہ اور ایشیا، اس وقت کی دنیا کے تمام براعظموں میں جھوٹے خداؤں کی جے جے کی جگہ اللہ اکبر کے نعرے گونجنے لگے، نسلی اور قومی تعصبات کے بت توڑ دیئے گئے وہ تمام دیواریں ڈھائی گئیں جو انسانوں کی کثیر تعداد کو تہذیب و تمدن کی روشنی سے محروم کرنے کے لئے تعمیر کی گئی تھیں۔ پاکیزہ تر انسانی تہذیب کا نیا سورج طلوع ہوا۔ اور کرۂ ارض کا کوئی گوشہ اس کی نورانی کرنوں سے جگمگانے لگا اسلام سب سے بڑا دین اور مسلمان سب سے بڑی قوم تسلیم کئے گئے۔ جس نے ان عظمتوں کا انکار کیا خاک میں مل گیا۔

اس مذہب کی سطوت اور اس قوم کی عظمت کا اندازہ تاریخ کے صرف اس ایک

واقعے سے بخوبی کیا جا سکتا ہے کے صرف ایک مظلوم لڑکی کی پکار پر ہند جیسے برصغیر کو گھوڑوں کے سموں سے کچل دیا گیا۔ اور اس قوم کے سپوتوں نے اس وقت تک اپنی تلواروں کو نیاموں میں نہ ڈالا جب تک اس مظلومہ کو ظالموں کی قید سے رہائی نہ دلائی گئی۔ رومی شہنشاہ نے ایک بار خراج ادا کرنے سے انکار کیا تو ہارون الرشید نے اسے "رومی کُتے" جیسے ذلیل کرنے والے الفاظ سے مخاطب کیا۔ اور پہلی فرصت میں اس کی یہ غلط فہمی دور کر دی کہ وہ مسلمانوں کے اقتدار کو چیلنج کر سکتا ہے۔

لیکن پھر جب اسی قوم نے قرآنی اصولوں پر عمل کرنا چھوڑ دیا اور عیش و عشرت اور ظلم و تعدی کا وہی چلن اپنا لیا جسے اپنانے کی وجہ سے پہلی قومیں ذلیل و رسوا ہوئی تھیں۔ تو اسے بھی انہی بُرے نتائج سے دوچار ہونا پڑا۔ اس کی عظمت کا آفتاب گہن میں آ گیا۔ اس کی ہوا اکھڑ گئی۔ اس کی تلوار زنگ آلود ہو گئی۔ اس کا اعتبار جاتا رہا۔ اس کا اتحاد پارہ پارہ ہو گیا۔ اور بالآخر وہ ایک ایسی قوم رہ گئی جسے اس کے ذلیل ترین دشمن نے بھی اپنا سب سے کمزور شکار تصور کیا۔ اسے رسوا کیا گیا۔ اس کا مذاق اڑایا گیا۔ اس کے ٹکڑے کئے گئے۔ اس کی بے حرمتی ہوئی۔ ہر جگہ اور ہر طرح بے عزتی ہوئی۔

اسپین سے مسلمانوں کو کھدیڑ کر باہر نکال دیا گیا۔ ہند میں ان کی سلطنت کا چراغ گُل کر دیا گیا۔ مصر و شام اور فلسطین و عراق میں ان کی سرفرازی کے نقوش مٹا دیئے گئے۔ انہیں برملا جاہل اور وحشی کہا گیا۔ ان کی تہذیب کا مذاق اڑایا گیا۔ ان کے مذہب کی توہین کی گئی۔ انہیں ہر لحاظ سے ناکارہ قرار دیا گیا۔

آہ یہ کتنی عبرتناک داستان ہے۔ اس کتاب میں تاریخ کے چند ایسے ہی عبرتناک واقعات جمع کئے گئے ہیں۔

علاج کا ایک موثر طریقہ یہ بھی ہے کہ مرض کے اصل اسباب بیان کر کے مریض کو ان سے مجتنب رہنے کی تاکید کی جائے ان واقعات کی اشاعت کا مقصد بھی یہی ہے یہ اسلام کا بہت بڑا معجزہ ہے کہ ہم سیاسی غلامی میں مبتلا ہو جانے کے باوجود ذہنی غلامی میں مبتلا نہیں اور ہماری قوم کے غیور و جسور فرزندوں نے اپنا کھویا ہوا اقتدار حاصل کرنے کی جدوجہد برابر جاری رکھی تھی۔ پاکستان اس جدوجہد کا ثمر شیریں ہے۔ اور اس کے طفیل مصر و عراق اور شام و الجزائر وغیرہ کو کفار کے غلبے سے نجات ملی ہے لیکن آزادی حاصل کرنے کے باوجود ابھی ہم خطرات سے پوری طرح محفوظ و مامون نہیں ہوئے۔ جن قوموں نے حالات سے مجبور ہو کر اپنے خونی پنجے سکیڑے ہیں۔ وہ اس بات کے لئے بھرپور کوشش کر رہی ہیں۔ کہ ہم ان کی گرفت سے نکلنے نہ پائیں۔ یہ مقصد حاصل کرنے کے لئے انہوں نے اپنی تہذیب اور اپنی زبانوں کے غلبے کا ڈھونگ رچایا ہے اور اس مقصد کے لئے وہ اس سے زیادہ جوش و خروش کے ساتھ کام کر رہی ہیں۔ جس کا مظاہرہ انہوں نے تلوار کے ذریعے مغلوب کرنے کے لئے کیا تھا یہ حربہ یقیناً پہلے حربے سے ہزار گنا زیادہ مہلک ہے، اگر خدا نخواستہ ہم نے اس سے بچنے کی پوری پوری کوشش نہ کی تو ہم پہلے سے بدتر غلامی میں مبتلا ہو جائیں گے۔ یہ ذہنی غلامی ہو گی۔ اور اس میں مبتلا ہو کر کوئی قوم اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکی۔

اس ناپاک سازش کو ناکام بنانے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنے اصل کی طرف لوٹ جائیں قرآن کو اپنا رہنما بنائیں۔ اور زندگی کے جملہ معاملات میں انہی اصولوں پر چلیں جنہیں اپنا کر ہمارے بزرگوں نے خلافتِ ارضی کا تاج حاصل کیا تھا۔ یہ اصول سادگی۔ نیک چلنی۔ خدا خوفی، عدل۔ مساوات اور شجاعت ہیں زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرنے کی حرص میں مبتلا ہو جانا۔ عدل و انصاف سے پہلو تہی اور اس انداز سے دنیادار بن جانا کہ خدا کا خوف ہی نہ رہے کافروں کا چلن ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ اس طرزِ زندگی اور اس اندازِ فکر کو جلد از جلد ترک کر دیں۔

مشہور تاریخی واقعات یعنی عبرتناک واقعات ایک آئینہ ہے جس میں ہمیں اپنے قومی وجود کے داغ نظر آئیں گے۔ ہمیں چاہیئے قرآنی اخلاق اور قرآنی سیرت اختیار کر کے ان داغوں کو دھو ڈالیں۔ خدا ہمیں ایسا کرنے کی توفیق بخشے ؎

(انظر زیدی)

بہت بے آبرو ہو کر

مسلمانوں کا ہسپانیہ سے اخراج

●

اندلس میں مسلمانوں نے تقریباً آٹھ سو سال تک بڑے جاہ وجلال اور شان وشوکت سے حکومت کی۔ مگر آپس کی خانہ جنگیوں نے انہیں تباہ وبرباد کر ڈالا۔ اور آخر میں صرف غرناطہ کی چھوٹی سی ریاست ان کے قبضہ میں رہ گئی۔ مسلمانوں کا یہ آخری سہارا تھا۔ اور عین ممکن تھا کہ وہ اپنی کھوئی ہوئی قوت دوبارہ حاصل کر لیتے مگر یہاں بھی باہمی اختلافات، نااتفاقیوں اور عداوتوں نے ان کا خاتمہ کر ڈالا۔ اور وہ بڑے ذلیل وخوار ہو کر وہاں سے نکلے۔ تاریخ اسلام کا یہ ایک ایسا اندوہناک باب ہے جس پر جس قدر بھی اشک فشانی کی جائے کم ہے]

عیسائیوں نے ان غریب مسلمانوں پر جو مظالم توڑے دنیا کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ یہی نہیں بلکہ عیسائیوں نے

مسلمانوں کے علمی اور قیمتی ذخیرہ کو بھی بہت بری طرح تباہ کر دیا۔]

قرطبہ اور اشبیلیہ کی طرح غرناطہ کی سلطنت بھی بڑے جاہ وجلال اور شوکت وحشمت کی حکومت تھی۔ بنو احمر کے خاندان سے یہاں جن بادشاہوں نے حکمرانی کی انہوں نے بڑے قابل قدر کارنامے سرانجام دئے۔ انہوں نے یہاں شاندار عمارتیں، مسجدیں اور مدرسے تعمیر کئے۔ پولیس اور فوج کو بڑے اچھے طریقہ سے منظم کیا۔ علوم و فنون کو ترقی دی۔ اور صنعت و حرفت کے ذریعے لوگوں کی اقتصادی حالت کو بہتر کیا۔ اس کے ساتھ ہی قرب وجوار کی عیسائی ریاستوں سے جنگ کر کے بہت سے علاقے ان سے واپس لے لئے۔ لیکن آخر کار یہاں بھی وہی حالات پیدا ہو گئے، یعنی خانہ جنگی اور اختلافات، جن کی وجہ سے قرطبہ اور اشبیلیہ کی سلطنتیں تباہ ہوئی تھیں۔

۸۷۰ھ میں غرناطہ کے تخت پر جو سلطان بیٹھا اس کا نام ابوالحسن تھا۔ یہ بڑے رعب و دبدبہ کا بادشاہ تھا۔ ۸۸۰ھ میں جب قشتالیہ کے بادشاہ فرڈی ننڈ نے نہایت مغرورانہ انداز میں اس سے خراج کا مطالبہ کیا تو اس نے جواب دیا:

"غرناطہ کی ٹکسال میں اب سونے چاندی کے سکوں کی جگہ فولادی تلواریں اور نیزے عیسائیوں کے جگر چاک کرنے کی غرض سے تیار کئے جاتے ہیں۔"

سلطان ابوالحسن کا یہ جواب صرف زبانی جمع خرچ اور محض دھمکی نہ تھی بلکہ اس نے سچ مچ چھ سال کے بعد ہی شاہ قشتالیہ کے مضبوط اور مستحکم قلعہ صخرہ پر حملہ کیا اور

ایک ہی رات میں اسے فتح کر لیا۔ اس کے بعد جنگ کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ نہ معلوم سلطان ابوالحسن کیا کیا کارنامے سرانجام دیتا مگر اپنے ہی بیٹوں کی بغاوت کے سبب اس کا دل امور سلطنت سے اس قدر بیزار ہوا کہ اپنے بھائی ابوعبداللہ الزاغل کے حق میں حکومت سے دست بردار ہوگیا۔ اندلس کے مسلمانوں کے لئے یہ بہت بڑا سانحہ تھا۔

اس کے بعد مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگیوں اور عیسائیوں کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا ایسا سلسلہ شروع ہوا کہ جن مسلمانوں کی سلطنت تمام جزیرہ نمائے اندلس میں تھی وہ اب سمٹتے سمٹتے صرف غرناطہ کے چھوٹے سے رقبہ میں محدود ہو کر رہ گئی۔ عیسائی برابر بڑھتے آرہے تھے، برابر فتوحات حاصل کر رہے تھے، برابر مسلمان فوجوں کو شکستیں دے رہے تھے لیکن افسوس کہ اس وقت بھی ان کی آنکھ نہ کھلی۔ انہوں نے باہمی خانہ جنگیوں اور نبرد آزمائیوں کو ترک نہیں کیا۔ آخر کار وہ وقت بھی آیا کہ ۱۳ جمادی الثانی ۸۹۶ھ مطابق ۱۴۹۱ء فرڈی نینڈ مع اپنی کامل قوت اور قلعہ شکن توپ خانہ کے سرسبز اور شاداب شہروں اور دیہاتوں کو تاراج کرتا ہوا غرناطہ کے قلعہ کے سامنے نمودار ہوا۔ یہاں اس کی ملکہ ازابلا نے ایک شہر کی بنیاد بھی رکھ دی جو اس بات کی علامت تھی کہ اب فرڈی نینڈ کی فوج غرناطہ کو فتح کئے بغیر واپس نہ ہوگی۔

یہ محاصرہ سات آٹھ ماہ تک جاری رہا۔ جبل شیر سے تمام ضروری سامان شہر میں برابر آتا رہا۔ مسلمانوں نے نہایت اطمینان سے دشمن کا مقابلہ کیا اور ہر یورش میں ہزاروں عیسائی قتل ہوتے رہے۔ مگر جب موسم سرما کا سخت زمانہ آیا اور

بوجہ برف باری پہاڑی راستے بالکل بند ہو گئے اور غلہ کی پیداوار میں بھی کمی ہوئی تو مسلمانوں پر بڑی سختی گزرنے لگی ۔ اسی دوران میں محاصرہ کی شدت اور سختی سے تنگ آکر غرناطہ کے مسلمانوں نے اخوت اسلامی کے نام پر افریقہ اور قسطنطنیہ کی اسلامی حکومتوں کو بڑے رِقّت انگیز الفاظ میں مدد کے لئے لکھا۔ قسطنطنیہ کے سلطان بایزید ثانی کو جو خط انہوں نے بھیجا اس کا ایک حصہ یہ ہے :-

"صدیوں سے عیسائی ہم کو دباتے چلے آئے ہیں
اب ہم ان کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں رہے ہمیں ہر
طرح کا نقصان پہنچایا گیا ہے ۔ ہمیں ہر طرح کی قربانیاں کرنا
پڑی ہیں ۔ جن مشکلات اور مصائب میں ہم گرفتار ہیں ۔ ان
کا آخری اور لازمی نتیجہ یہ ہونے والا ہے کہ مذہب اسلام
کی ہستی اس ملک میں ختم ہو جائے ۔ اور کوئی مسلمان
باقی نہ رہے ۔"

سلطان بایزید ثانی کو یہ خط ملا تو اس نے دو ایلچیوں کو روم بھیجا اور پوپ کو دھمکی دی کہ اگر مسلمانان اندلس پر ظلم و ستم جاری رہا ۔ تو وہ اپنی عیسائی رعایا سے اس کا بدلہ لے گا ۔ پوپ نے یہ دو ایلچی فرڈی ننڈ کے پاس بھیج دئے اور بایزید کو جواب دیا :-

"میری سلطنت میں تمام غیر عیسائی باجگزاروں کو وہی حقوق حاصل ہیں جو دنیا بھر میں ہر جگہ مسلمانوں کی سلطنت میں عیسائیوں کو حاصل ہیں ۔"

اس جواب سے سلطان مطمئن ہُوا یا نہیں مگر مصیبت یہ آ پڑی کہ اس زمانہ میں اس نے مصر پر حملہ کیا تھا۔ فرڈی ننڈ نے اس موقعہ سے پورا فائدہ اٹھایا۔ اس نے سلطان کو لکھا کہ وہ اپنے سپاہیوں اور جہازوں سے اس کی مدد کرے گا۔ سلطان بایزید ثانی پر اس پیشکش کا ایسا اثر ہُوا کہ اس نے پھر اندلس کے بے کس و مظلوم مسلمانوں کی خبر نہ لی۔ اور انہیں ان کی قسمت پر چھوڑ دیا۔

بہر حال جب محاصرہ کی شدّت حد سے گزر گئی تو مسلمانوں کی ایک جماعت نے سلطان ابوعبداللہ محمد سے کہا۔

"فاقے مرنے کے عوض ہم میدان جنگ میں تیر و تفنگ کھا کر مرنا پسند کرتے ہیں۔ گو عیسائیوں کی تعداد اسّی ہزار سے زائد ہے اور ہم بیس ہزار سے کم ہیں۔ لیکن اس کا بفضلہ ہماری ہمّتوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کیا ہم جنگ وادی، جہاں امیر طارق نے بیس ہزار عربوں کے ساتھ ایک لاکھ عیسائیوں کو شکست دی تھی کبھی بھول سکتے ہیں۔ صرف تائیدِ الٰہی ہمارے شامل حال رہنی چاہیئے۔ اگر خدا تعالےٰ کو یہی منظور ہے کہ ہمارے دشمن ہم پر فتح پائیں تو مشیّت ایزدی میں کسی کو دخل نہیں۔ ہم ہر طرح راضی برضا ہیں۔"

سلطان ابوعبداللہ محمد نے اپنے وزراء اور امرائے سلطنت سے مشورہ کیا۔ جو پرجوش اور غیرت مند تھے ان کی رائے تھی کہ مسلمانوں کو اپنے خون کا آخری قطرہ

تک بہا دینا چاہیئے۔ مگر غرناطہ کو دشمنوں کے حوالہ نہیں کرنا چاہیئے۔ لیکن اکثریت کی رائے یہ تھی کہ لڑنے کی قوّت ہم میں باقی نہیں۔ اگر جنگ میں خدانخواستہ ناکام ہوئے تو عیسائی ایک مسلمان کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے۔ بہتر یہی ہے کہ ایسی شرائط پر صلح کی جائے جس سے سلطان کی جان و مال کو نقصان نہ پہنچے۔ سلطان نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ اور اپنے وزیر ابوالقاسم عبدالملک کے ذریعہ فرڈی نںڈ کو صلح کا پیغام بھیجا۔ عیسائی قلعہ کی اندرونی حالت سے بالکل ناواقف خود نیم جان ہو رہے تھے۔ فرڈینڈ نمائشی ردو قدح اور تامل کے بعد راضی ہو گیا۔ چونکہ غرناطہ کی مسلمان رعایا عیسائیوں کی غدّاری سے عاجز آ گئی تھی۔ اور لڑنے مرنے پر اصرار کر رہی تھی، لہٰذا تکمیل معاہدہ تک یہ کارروائی شدید راز میں رکھی گئی۔ چنانچہ گفت و شنید کے بعد ایک صلح نامہ مرتب ہوا جس پر فرڈینڈ شاہ قشتالیہ اور ابوعبداللہ محمد دونوں کے دستخط ہو گئے۔

یہ عہد نامہ پچپن دفعات پر مشتمل تھا۔ ان میں سے چند اہم دفعات کا خلاصہ یہ ہے:۔

"تمام چھوٹے بڑے مسلمانوں کو امن دیا جائے گا۔ ان کا مال جاگیریں اور جائدادیں سب محفوظ رہیں گی۔ ان کے مذہبی معاملات اوقاف اور مسجدیں آزاد رہیں گی۔ ان کے معاملات و مسائل کا تصفیہ مسلمان قاضی یا حاکم کرے گا۔ جنگ میں جو مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آگیا ہے اس کو غصب نہ کیا جائے گا۔ مقررہ ٹیکس کے علاوہ ان پر کوئی زائد ٹیکس نہ لگایا جائے گا جو عیسائی

مسلمان ہو گئے ہیں ان کو ترک اسلام پر مجبور نہ کیا جائے گا۔ اور اسی طرح کسی مسلمان کو بجبر عیسائی بنانے کی کوشش نہیں کی جائے گی۔ اگر کوئی مسلمان افریقہ جانا چاہے گا تو حکومت اس کو اپنے انتظام سے افریقہ پہنچائے گی۔ کوئی عیسائی کسی مسلمان کے گھر میں داخل نہیں ہو گا۔ اور نہ اس کی دیوار پر چڑھے گا۔ مسلمانوں کو عیسائی فوجیوں کی دعوت کرنے پر مجبور نہ کیا جائے گا۔ مسلمانوں کو لباس میں پوری آزادی حاصل رہے گی۔ یعنی انہیں کسی خاص وضع قطع کے اختیار کرنے یا کوئی خاص علامت لگانے پر مجبور نہ کیا جائے گا۔ کوئی عیسائی کسی مسلمان کا راہ چلتے یا کہیں اور مذاق نہ اڑائے گا، نہ اس پر فقرہ کسے گا۔ اس کے ساتھ تمسخر نہ کریگا اور اگر کسی نے ایسا کیا تو اس کو قرار واقعی سزا دی جائے گی؛ جو مسلمان جنگی مجرم ہیں ان کو رہا کر دیا جائے گا۔ اگر کوئی مسلمان غلام اپنے مالک کے پاس سے بھاگ کر غرناطہ آجائے گا تو اُسے مامون سمجھا جائے گا اور بادشاہ اس کی قیمت غلام کے مالک کو ادا کر دے گا۔"

یہ معاہدہ یکم ربیع الاول ۸۹۷ھ مطابق ۳۰ ردسمبر ۱۴۹۱ء کو ہوا تھا۔ فرڈی ننڈ اور اس کی ملکہ ازابلا دونوں نے یہ عہد کیا تھا کہ وہ اس کے ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف کی پابندی کریں گے اور جس طرح یہ عہد نامہ خود ان دونوں کے لئے اور ان کے تمام حکام و عمّال اور امراء و اعیان کے لئے واجب العمل ہے

اسی طرح ان کے قائم مقام، ان کی اولاد، اور اولاد کی اولاد سب کے لئے واجب العمل ہوگا، اور وہ اس سے سرِمو انحراف نہ کریں گے۔

اس معاہدہ کے علاوہ ایک اور عہد نامہ ترتیب دیا گیا جو خاص ابوعبداللہ محمد کی ذات سے تعلق رکھتا تھا۔ اس میں چودہ دفعات تھیں۔ ان میں سے ایک یہ تھی کہ شاہ فرڈی ننڈ اور ملکہ ازابلا ان دونوں نے کچھ اراضی، کچھ املاک اور شہر سلطان ابوعبداللہ محمد کو دیئے ہیں۔ انہیں میں سے ایک البشارات بھی تھا۔

صلح کی کارروائی کو پوشیدہ رکھنا کوئی آسان امر نہ تھا۔ آخر مسلمانوں کو اس کا علم ہوگیا اور چونکہ پہلے ہی سے وہ سلطان کو غدّار سمجھتے تھے اور جانتے تھے کہ اس میں قوم کی محبت اور غیرت و حمیت باقی نہیں رہی ہے، اس وحشت ناک خبر کو سن کر کہ عنقریب سلطان دارالسلطنت غرناطہ کو بلا کشت و خون عیسائیوں کے حوالہ کر دینے والا ہے۔ عام بد دلی پھیل گئی۔ حامد بن زرارہ نامی ایک درویش کے جوش دلانے اور اکسانے پر بیس ہزار اہل غرناطہ مسلح ہو کر جنگ کے لئے نکلے لیکن کچھ ایسے اسباب جن پر ان کا قابو نہیں تھا، پیش آئے کہ ایک بھی جھڑپ نہیں ہوئی۔ سلطان نہایت پریشان ہوا اور اس خیال سے کہ کہیں بغاوت بنے بنائے کام کو نہ بگاڑ دے، شہر کے رؤسا کی ایک جماعت کے ساتھ قلعہ الحمرا سے نکلا اور مسلمانوں سے اس طرح خطاب کیا:۔

"مسلمانوں میں اقرار کرتا ہوں کہ اس ذلت و رسوائی میں کسی کا کوئی گناہ نہیں ہے۔ گنہگار صرف میں ہوں۔ میں نے اپنے باپ کے ساتھ نافرمانی اور سرکشی کی اور دشمنوں کو ملک پر حملہ کرنے

کی دعوت دی لیکن بہر حال خدا نے مجھ کو میرے گناہوں کی سزا
دیدی ہے۔ تاہم یہ یاد رکرنا چاہئے کہ میں نے اس وقت یہ معاہدہ
جو قبول کیا ہے تو محض اس لئے کیا ہے کہ تم لوگوں کے اور تمہارے
بچوں کے خون خواہ مخواہ نہ بہیں۔ تمہاری عورتیں، لونڈیاں اور باندیاں
نہ بنیں۔ اور تمہاری شریعت اور تمہارے املاک و متاع ان بادشاہوں
کے زیر سایہ محفوظ رہیں جو بہر حال بدنصیب ابوعبداللہ محمد سے
بہتر ہوں گے۔"

معاہدہ کی رو سے ستر دن دئے گئے تھے کہ اس مدت میں ابوعبداللہ محمد فرڈی نَنڈ کا قبضہ الحمراء پر کرا دے گا۔ لیکن ابوعبداللہ محمد اس قدر پریشان و سراسیمہ اور خوف زدہ تھا کہ مندرجہ بالا تقریر کے دوسرے دن ہی فرڈی نَنڈ کو پیغام بھیجا کہ وہ شہر پر قبضہ کر لے

فرڈی نَنڈ نے اپنے مذہبی پیشوا مندوزہ سے درخواست کی کہ وہ مع فوج پہلے شہر میں داخل ہو اور قلعہ الحمراء کے سب سے بلند برج پر جہاں ابھی اسلام کا نشان دھیمی ہوا میں لہرا رہا تھا صلیب کو نصب کر دے۔ اس نیک شگون کو دیکھتے ہی میں خود ملکہ ازابلا کے ساتھ شہر میں داخل ہوں گا۔ جب ابوعبداللہ محمد نے مندوزہ کو قلعہ میں آتے دیکھا مع پچاس امراء کے گھوڑے پر سوار قلعہ کے باہر نکل آیا۔ اس وقت کا سماں دیکھنے کے قابل تھا۔ شہر پر اُداسی اور مردنی چھائی ہوئی تھی۔ مسلمانوں کے چہرے پژمردہ تھے۔ اور ان کے دم میں دم نہ تھا۔ ان کے دلوں پر جو صدمہ گزر رہا تھا اس کا احاطہ تحریر میں لانا غیر ممکن ہے۔ ادھر تو یہ

کہرام عظیم اور ادھر عیسائیوں کی جانب سے نقارہ ہائے شادمانی کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ فرڈی ننڈ اور ملکہ اپنے لباسِ شاہانہ اور فولادی زرہیں پہنے تھے اور ان کے چپ و راست تمام اعیانِ ریاست اور افسرانِ فوج اپنے لشکر کے ساتھ کھڑے تھے۔ نظریں سب کی الحمراء کے برج کی جانب تھیں اور صلیب کے ظہور کا انتظار تھا۔ ابو عبداللہ محمد نے قصر کے دروازے کو جس سے یہ باہر نکلا تھا اس غرض سے اپنے سامنے چنوا دیا کہ اس کے بعد کوئی دوسرا اس کے ذریعہ قصر میں داخل نہ ہو سکے۔ یہ دروازہ اس وقت تک اسی حالت میں کھڑا ہے۔ اور اہل دنیا کے لئے ایک عبرت گاہ ہے۔ سلطان سیدھا فرڈی ننڈ کی طرف آیا۔ فرڈی ننڈ نے فوراً گھوڑے سے اتر کر اسے گلے لگا لیا۔ سلطان نے قلعہ کی کنجیاں اسے دیتے ہوئے کہا:۔

یہ کنجیاں اندلس میں عربوں کے اقتدار کی آخری نشانی ہیں
آپ انہیں لے لیجئے۔ کیونکہ اللہ کی مشیت کے مطابق اب
ہمارا ملک مال و متاع اور ہمارے یہ جسم یہ سب آپ کی
ملکیت ہو گئے ہیں؛

فرڈی ننڈ چاہتا تھا کہ تسلی آمیز الفاظ زبان سے کہے۔ مگر سلطان بلا توقف آگے بڑھ گیا اور ملکہ از ابلا سے ملتا ہوا البشارات جہاں اس کا تمام مال و اسباب اور رشتے دار جا چکے تھے روانہ ہو گیا۔

جب ابو عبداللہ محمد البشارات کی ایک پہاڑ کی چوٹی پر پہنچا تو بے ساختہ اُس نے گھوڑے کو غرناطہ کی طرف موڑا اور اپنے خاندان کی گذشتہ عظمت و شان

پر آخری نظر ڈال کر زار و قطار رونے لگا۔ اس کی ماں نے جو اس وقت ساتھ تھی یہ حالت دیکھ کر اپنے زخمی دل کو سخت کیا اور بولی :۔

"جب تو باوجود ایک مرد سپاہی پیشہ ہونے کے اپنے ملک کو نہ بچا سکا تو اب مثل عورتوں کے گم شدہ شے پر رونے سے کیا فائدہ ؟"

ابو عبداللہ محمد نے ایک آہ سرد کھینچی اور کہا :۔

"جو صدمہ اس وقت میرے قلب پر گزر رہا ہے وہ کسی دوسرے کو ہرگز نصیب نہ ہوگا"

اس کے وزیر یوسف نے بھی اسے تسلی دینے کی کوشش کی لیکن آنسوؤں کا ایک دریا تھا جو اس کی آنکھوں سے جاری تھا اور کسی کل اسے چین نہ آتا تھا البشارات کی یہ پہاڑی جس پر کھڑے ہو کر ابو عبداللہ محمد اور اس کے ساتھیوں نے غرناطہ پر حسرت آمیز نگاہِ واپسیں ڈالی تھی ۔ دم واپسیں عرب کے نام سے اب تک مشہور ہے ۔

الغرض تھوڑی دیر میں چاندی کی صلیب قلعہ کے برج پر آفتاب کی شعاعوں سے چمکنے لگی ۔ عیسائیوں نے خوشی کے نعرے بلند کئے ۔ اور فرڈی نند مع ملکہ ازابیلا نہایت تزک و احتشام سے غرناطہ میں داخل ہوا اور قلعہ الحمراء میں اقامت اختیار کی ۔ یہ بے نظیر قصر جس کی تعریف میں دنیا جہان کے مؤرخوں کی زبانیں سوکھی جاتی تھیں ۔ آن واحد میں مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا ۔

حسبِ معاہدہ جب ابو عبداللہ محمد البشارات پہنچا تو یہاں جو عیسائی فوجیں

متعین تھیں وہ اٹھائی گئیں اور وہ یہاں مقیم ہوگیا۔ مگر فرڈی ننڈ نے کبھی اسے چین نہیں لینے دیا۔ آخر کار سلطان نے یہ ملک فرڈی ننڈ کے ہاتھ فروخت کر دیا اور خود افریقہ آکر بادشاہ فاس کی فوج میں ملازمت اختیار کر لی اور وہیں ۱۵۳۸ء میں ایک جنگ میں مارا گیا۔ ایک عربی مصنف اس بدقسمت بادشاہ کے حالات لکھتے ہوئے ایک مقام پر تحریر کرتا ہے کہ :۔

"یہ بھی کیا بدقسمت آدمی تھا جس نے اپنا ملک عیسائیوں کے سپرد کر دیا اور پھر زندہ رہنا گوارا اور ایک دوسرے شخص کا ملازم ہو کر مرنا پسند کیا۔"

اور آگے چل کر لکھا :۔

"مشیت ایزدی میں انسان کی کیا مجال ہے کہ دخل دے منظور الٰہی یہی تھا کہ وہ ملک جس کو عربوں نے جان عزیز دے کر خون بہا کے عوض خریدا تھا اور جس پر انہوں نے تقریباً آٹھ سو برس نہایت رعب و داب سے حکومت کی تھی۔ وہ پھر دشمنان اسلام کے قبضہ و تصرف میں چلا جائے۔"

سقوطِ غرناطہ کے بعد اندلس سے مسلمانوں کی حکومت ختم ہوگئی۔ اس کے ساتھ ہی عرصۂ حیات بھی ان پر تنگ ہوگیا۔ ظلم و ستم۔ جور و سفاکی اور تشدد کا کوئی پہلو ایسا نہ تھا جو ان کے حق میں روا نہ رکھا گیا ہو۔ عہد نامہ کی دفعات یکسر اور فوراً بھلا دی گئیں۔ اسے طاق نسیاں پر رکھ دیا گیا۔ چنانچہ فرڈی ننڈ اور ازابلا نے غرناطہ میں داخل ہو کر پہلا کام یہ کیا کہ غرناطہ کی سب سے بڑی جامع مسجد

کو گرجا کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ اس کے بعد کوشش یہ کی گئی کہ مسلمان
بہ رضا و رغبت کسی نہ کسی طرح مرتد ہو کر مذہب عیسوی قبول کر لیں جب دیکھا
کہ اس سے کام نہیں چلتا تو ان پر جبر و تشدّد شروع ہوا۔ اس سلسلہ میں پہلا
قدم یہ اٹھایا گیا کہ کسی عیسائی کے لئے اسلام قبول کرنا قانوناً ممنوع ہو گیا۔ اس
کے برعکس جو مسلمان عیسائی مذہب قبول کر لیتا تھا اس کی خوب خاطر کی جاتی
تھی۔ اس کے بعد ۱۴۹۹ء میں فرمان شاہی صادر ہوا کہ جو لوگ مذہب عیسوی
اختیار نہیں کرتے انہیں اندلس سے نکل جانا چاہیئے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ بہت
سے غریب اور کمزور طبیعت کے مسلمان گو درحقیقت مسلمان تھے۔ لیکن عتابِ
شاہی سے بچنے کے لئے گرجاؤں میں آتے اور عیسائیوں کے رسوم و طریق
بجا لاتے تھے۔ جو مسلمان ظاہراً و باطناً مسلمان رہے ان کے ساتھ طرح طرح
کی سختیاں کی جاتی تھیں جن مسلمان بچوں پر ان کا بس چلا انہیں بتیمہ دیا گیا۔
یہی نہیں صنعت کاروں کے ہاتھ کاٹے گئے۔ تاجروں کا سامان لوٹا گیا۔ اور دولت
مندوں کا مال و متاع ضبط کیا گیا۔ کسی مسلمان کی دولت محفوظ تھی نہ آبرو۔ سپاہی
ان کے گھروں میں گھس جاتے۔ سامان لوٹ لیتے اور عورتوں کی عصمت دری کرتے۔
جب ۱۵۲۴ء میں مسلمانوں نے ان مظالم کی شکایت کی تو ان کا معاملہ محکمۂ
تفتیش مذہبی کے سپرد کر دیا گیا۔ اس محکمہ کے فیصلہ کے مطابق ہزاروں مسلمان
نذرِ آتش کئے گئے۔ عربی زبان کا بولنا اور لکھنا ممنوع قرار دیا گیا۔ حکم ہوا کہ عورتیں
برقع نہ پہنیں۔ یہ سب سہی۔ مگر مسلمانوں میں ابھی تک غیرت و حمیت باقی تھی
انہوں نے اس ظلم و تشدد کے خلاف بغاوت کر دی۔ اس بغاوت سے صرف یہ

فائدہ ہُوا کہ فرڈی ننڈ اور ازابلا کی آنکھیں کھل گئیں ۔ ان کی روش کچھ بدل گئی۔ انہوں نے غرناطہ کی حکومت پر ایسے آدمیوں کو مقرر کیا جو اگرچہ عیسائی مگر طبعاً شریف تھے ۔ حالات کسی قدر بدل گئے۔ مگر جو شخص غرناطہ کا حاکم ہو کر آیا اس کا نام پادری شمینس تھا ۔ یہ بڑا متعصب، تنگ دل اور بے رحم تھا ۔ اس شخص کے زہرہ گداز مظالم کی تفصیل لکھنا بہت مشکل ہے ۔ اس نے آتے ہی محکمہ کلیسا سے ایک فرمان حاصل کر لیا ۔ جس کی رو سے وہ مسلمانوں کے متعلق مذہبی تفتیش جس طرح چاہتا کرتا اور انہیں سزا دے سکتا تھا ۔ اس کے عہد میں پادری امن پسند مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکالتے اور چوراہوں میں کھڑا کر کے ان پر پتھر اور کنکر برساتے ۔ اور پھر انہیں کلیساؤں میں لے جاتے اور بندوقیں اور تلواریں دکھا کر انہیں عیسائی بنا لیتے۔ جو مسلمان اپنے مذہب پر پکے رہتے ، ان پر بھاری جرمانے کئے جاتے اور ان کی جائدادیں ضبط کر لی جاتیں ۔ علماء و فقہا کو گرفتار کر کے جیلوں میں بند کر دیا گیا اور ان کی جائیدادوں سے انہیں محروم کر دیا گیا ۔ پھر حکم ہُوا کہ سارے مسلمانوں کے گھروں کی تلاشی لی جائے ۔ پادری اور سپاہی مسلح ہو کر ان کے گھروں میں گھس گئے ۔ دس لاکھ سے زائد قرآن پاک اور عربی کی کتابیں جمع کر کے جلا دی گئیں ۔ غرناطہ کے مسلمان نہ اتنے بزدل تھے نہ اتنے بے غیرت کہ قرآن پاک کو جلتا دیکھتے اور چپ رہتے ۔ تلواریں، نیزے بھالے وغیرہ لے کر گھروں سے نکل آئے مگر فوج نے ان پر بہت جلد قابو پا لیا ۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ ان مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی گئیں، اس کے علاوہ انتقام یوں بھی لیا کہ اس کے بعد ستر ہزار مسلمانوں کو جبراً اصطباغ دیا گیا ۔

علوم و فنون کا جو خزانہ پادری شمینیش کے حکم سے جلایا گیا اس کا ذکر کرتے ہوئے مشہور مؤرخ ایس۔ پی سکاٹ لکھتا ہے کہ:۔

"اس وحشیانہ مذہبی جوش سے جو نقصان دنیا کو پہنچا اس کا ادنیٰ اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ غالباً دنیا بھر میں ایسا قیمتی ذخیرۂ علوم و فنون کہیں نہ ہوگا جس کو شمینس نے اس تاریخی چوک میں خاک سیاہ کر دیا۔ اس وحشیانہ فعل سے مالی نقصان تو بہت ہُوا ہی تھا مگر اس کا مہلک اثر جو سوسائٹی پر پڑا وہ بالکل ناقابل بیان ہے۔ اس سے وہ یگانۂ روزگار علمی یادگاریں تباہ ہو گئیں۔ جن کا بدل ناممکن ہے گھڑی بھر میں اس نے صدیوں کا جمع کیا ہُوا وہ بیش بہا خزانہ خاک سیاہ کر دیا۔ جس سے زمانۂ حال کے مؤرخ مسلمانان اندلس کی تہذیب کے متعلق ایسے مآخذ پیدا کر سکتے تھے جن کا علمی دنیا میں پتہ لگنا ناممکن ہے"

اندازہ لگایا گیا ہے کہ غرناطہ میں جو کتابیں جلا کر خاک کی گئیں ان کی تعداد اسی ہزار تھی۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اور شہروں میں جو کتابیں جلائی گئی تھیں اگر انہیں اسی تعداد میں ملایا جائے تو نوبت کہاں تک پہنچتی ہے۔

سنہ ۱۴۹۹ء سے جبر و تشدد اور عام ظلم و ستم کا بازار گرم ہو گیا۔ عیسائی مسلمان بچوں کو پکڑ لیتے تھے اور انہیں جبراً عیسائی بنا لیتے تھے۔ اس کے لئے عذر یہ پیش کرتے تھے کہ یہ لوگ ابتداً عیسائی ہی تھے۔ ان لوگوں کو محکمۂ تفتیش مذہبی کے سامنے پیش کیا جاتا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ان بدنصیبوں میں سے

جن کو جلایا جا سکتا تھا انہیں جلا دیتے تھے لیکن چونکہ کئی لاکھ انسانوں کو نذرِ آتش کر دینا آسان کام نہیں تھا اس لئے لارڈ بشپ نے یہ تجویز پیش کی کہ جو مسلمان مذہب عیسوی قبول نہ کریں انہیں قتل کر دیا جائے۔ اس میں بچوں، بوڑھوں یا عورتوں کی کوئی تخصیص نہیں تھی۔ فرانس کا مشہور مصنف والٹیر لکھتا ہے۔

"جب عربوں نے انہیں فتح کیا تو انھوں نے یہاں کے ایک عیسائی کو بھی اسلام اختیار کر لینے پر مجبور نہیں کیا۔ لیکن یہ امر نہایت افسوسناک ہے کہ جب عیسائیوں کا اس ملک پر قبضہ ہو گیا تو شمنیس نے تمام عربوں کو عیسائی کر لینا چاہا اور اسی سلسلہ میں اس نے پچاس ہزار مسلمانوں کو اس پر مجبور کیا کہ وہ ایک ایسے مذہب کا نشان لگائیں جس پر ایمان نہیں لائے تھے۔"

۱۵۶۶ء میں یہ حکم جاری ہوا کہ مسلمان عربی زبان کا استعمال اور اپنے دینی شعائر کو ترک کر دیں۔ مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ ہو گیا۔ آخر انہوں نے غرناطہ اور البشارات میں علمِ بغاوت بلند کر دیا۔ کئی سال تک جنگ ہوتی رہی۔ مٹھی بھر مسلمان شجاعت اور مردانگی سے عیسائیوں کا مقابلہ کرتے رہے اور انہیں شکستیں بھی دیتے رہے لیکن آخر کار مسلمانوں کو شکست ہوئی اور وہ بھی ایک غدار کی وجہ سے۔ ۱۶۰۴ء میں اعلان عام ہو گیا کہ مسلمان سرزمین اندلس کو بالکل خالی کر دیں۔ چنانچہ دو سال کی مدت میں تقریباً پانچ لاکھ مسلمان یہاں

سے رخصت ہوئے اور افریقہ یا جہاں سینگ سمائے چلے گئے۔ مورخین کا اندازہ ہے کہ فرڈی ننڈ کے غرناطہ پر تسلط سے لے کر اس آخری حکم جلاوطنی تک جن لوگوں نے اندلس کو چھوڑا ان کی تعداد تیس لاکھ تھی۔ مگر وہ مسلمان جنہوں نے افریقہ کا رُخ کیا۔ ان میں سے تین چوتھائی مسلمانوں کو راستہ ہی میں قتل کر دیا گیا۔ سترھویں صدی کے شروع میں مسلمانوں کا اندلس سے بالکل خاتمہ ہوگیا۔ اور ایک مسلمان بھی اس سرزمین پر باقی نہ رہا[۱]

ماخذ

۱۔ خلافت اندلس	ذوالقدر جنگ بہادر
۲۔ مسلمان اندلس میں	رشید اختر ندوی
۳۔ خلافت ہسپانیہ	مفتی انتظام اللہ شہابی
۴۔ تاریخ اندلس	عبدالقوی

---

[۱] یہ نتیجہ تھا قرآن پاک کی تعلیم رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ۔ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ اور وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا چھوڑ دینے کا۔ ابو عبداللہ محمد اور اس کے چچا زغل کی نااتفاقی مسلمانوں کا باہمی عناد و رقابت، ذاتی اغراض کی تقدیم قومی مفاد کی طرف سے اعراض باہمی انتشار اور اسلام کی صحیح سپرٹ سے روگردانی مسلمانوں کے سپین سے اخراج کے اصل اسباب تھے۔ یہی اسباب سقوط بغداد اور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادئ ہند کی ناکامی میں کارفرما تھے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

پہلی خانہ جنگی

[تاریخ اسلام میں جنگ جمل وہ پہلی افسوسناک جنگ ہے جب مسلمان مسلمان کے خلاف صف آرا ہوئے۔ وہ خاندانی محاربات جو بار بار اسلامی دنیا میں زلزلہ ڈالتے رہے اور بعض اوقات اس کی جڑیں تک ہلاتے رہے، یہ محض ان کی ابتدا تھی۔ اس جنگ میں ایک طرف امیر المومنین حضرت علیؓ تھے اور دوسری طرف ام المومنین حضرت عائشہؓ تھیں۔ اس اختلاف کے سیاسی محرکات کیا تھے؟ بغض و عداوت کی یہ آگ اچانک کیسے بھڑک اٹھی اور اس آگ میں صحابہ کرامؓ جیسی مقدس ہستیاں کیسے کود پڑیں؟ یہ سوالات ہیں جو چودہ سو برس سے مسلمانوں کے دلوں میں پیدا ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ ہر مؤرخ نے اپنے نقطۂ نظر سے ان کا جواب بھی دیا ہے، ہمیں یہاں ان سے کوئی بحث نہیں ہم صرف اس قدر عرض کریں

گے کہ یہ وہ دور تھا جب اتحادِ اسلامی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دنیا سے رخصت ہو رہا تھا۔ اور مسلمان، مسلمان کے خون کا پیاسا نظر آتا تھا۔]

جس زمانہ میں حضرت عثمانؓ اپنے گھر میں محصور تھے، حضرت عائشہؓ حج کی غرض سے مدینہ سے مکہ آ گئیں ارکانِ حج ادا کرنے کے بعد وہ مدینہ روانہ ہوئیں۔ ابھی انہوں نے تھوڑا ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ راستہ میں ان کے ایک عزیز ملے۔ ان سے حالات دریافت کئے۔ معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے۔ اور حضرت علیؓ خلیفہ منتخب ہوئے۔ لیکن ہنوز فتنہ کی گرم بازاری ہے۔ حضرت علیؓ کی خلافت انہیں بہت شاق گزری اور انہوں نے کہا:۔

"حضرت عثمانؓ مظلومی کی حالت میں شہید کئے گئے۔ خدا کی قسم میں ان کا انتقام لے کر رہوں گی۔"

پھر وہ مکہ واپس آ گئیں۔ لوگوں نے واپسی کا سبب پوچھا تو انہوں نے خانہ کعبہ کے دروازہ پر ایک مجمع کے سامنے یہ تقریر کی:۔

"اے لوگو! مختلف مقامات کے مفسدین نے اہل مدینہ کے غلاموں کی مدد سے حضرت عثمانؓ کو مظلوم شہید کر دیا۔ ان لوگوں نے پہلے حضرت عثمانؓ پر کچھ الزامات لگائے اور جب انہیں ثابت نہ کر سکے تو بغاوت کر دی۔ جس خون کو خدا نے حرام کر دیا تھا اسے بہایا۔ بلد حرام (مدینہ) اور شہر حرام (ذی الحجہ) کی تقدیس کو توڑا۔ انہوں نے حرام مال

لوٹا۔ خدا کی قسم! عثمانؓ کی ایک انگلی ان بلوائیوں کی ساری دنیا سے زیادہ محترم ہے۔ اگر عثمانؓ میں کوئی خرابی تھی تو ان کی دردناک شہادت کی وجہ سے وہ اس طرح دور ہو گئی جس طرح کٹھالی میں ڈالے جانے کے بعد سونے سے میل صاف ہو جاتا ہے یہ فتنہ ابھی دبتا ہوا نظر نہیں آتا۔ اس لئے تم خلیفۂ مظلوم کا خون رائگاں نہ جانے دو۔"

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد بنو اُمیہ کے اکثر لوگ بھاگ کر مکہ آ گئے تھے۔ انہوں نے اس موقعہ کو اپنے لئے غنیمت سمجھا۔ اور جوق در جوق حضرت عائشہؓ کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے۔ عبداللہ بن عامر بصرہ سے بہت سا مال و اسباب لے کر آئے تھے۔ اور یعلی بن اُمیہ جو حضرت عثمانؓ کی جانب سے یمن کے عامل تھے۔ اپنی معزولی کا حکم سنکر چھ سو اونٹ اور کثیر مال و دولت لے کر مکہ پہنچ گئے تھے۔ اس دوران میں مدینہ میں فتنہ و فساد کے آثار دیکھ کر حضرت طلحہ رضؓ اور حضرت زبیر رضؓ بھی مدینہ سے یہاں آ پہنچے تھے۔ ان دونوں حضرات کے مکہ پہنچنے پر ایک مجلس مشاورت منعقد ہوئی۔ جس میں حضرت عائشہ رضؓ، حضرت طلحہ رضؓ، حضرت زبیر رضؓ، عامل مکہ اور سرکردہ بنو امیہ شریک ہوئے۔ پیش نظر مسئلہ یہ تھا کہ کس جانب کا رُخ کرنا چاہیئے۔ حضرت عائشہ رضؓ کا خیال تھا کہ مدینہ کی طرف چلنا چاہئے۔ مگر کافی بحث و تمحیص کے بعد فیصلہ ہوا کہ پہلی منزل بصرہ ہو۔

جب بصرہ چلنے کا فیصلہ ہو گیا تو تیاری شروع ہوئی۔ ابن عامر اور

یعلیٰ بن امیہؓ اپنے اپنے علاقوں سے بہت سا مال و اسباب لائے تھے یہ انہوں نے فوج کے ساز و سامان پر خرچ کیا اور پھر مکہ میں منادی کرادی گئی :-

"لوگو! ام المومنین حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ بصرہ کی جانب کوچ کر رہے ہیں۔ جو شخص اسلام کی سربلندی کیلئے مفسدین سے لڑنا اور حضرت عثمان رضؓ کے خون کا بدلہ لینا چاہتا ہے۔ لیکن اس کے پاس سواری اور ہتھیار نہیں ہے وہ ہمارے پاس آئے ہم اسے ہتھیار دیں گے اور سفر کے لئے سواری۔"

تیاریاں مکمل ہوگئیں تو حضرت عائشہ رضؓ کے لئے ایک مضبوط اونٹ کی تلاش ہوئی۔ جس پر آپ کا ہودہ رکھا جائے۔ یعلیٰ بن امیہؓ نے ایک اونٹ پیش کیا جس کا نام عسکر تھا۔ حضرت عائشہ رضؓ نے اُسے دیکھ کر بہت پسند کیا۔ اور اس پر آپ رضؓ کا ہودہ رکھا گیا۔ غرض یہ جماعت بصرہ روانہ ہوگئی اور ایک لڑائی کے بعد اُسے فتح کر لیا۔

حضرت علی رضؓ کو جب ان واقعات کا علم ہُوا تو مدینہ سے نکل کر بصرہ روانہ ہوئے اس وقت ان کے ساتھ سات سو آدمی تھے۔ کوفہ سے سات ہزار اور ان کے ساتھ ہو گئے۔ بصرہ پہنچتے پہنچتے بیس ہزار کی جمعیت ہوگئی۔ سب سے آگے انصار کا ایک ہزار سواروں پر مشتمل دستہ تھا جس کی قیادت حضرت ابوایوب رضؓ انصاری کر رہے تھے۔ وہ گھوڑے پر سوار تھے۔

ٹوپی اور سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ جھنڈا ہاتھ میں اور تلوار کمر میں حمائل تھی۔ اس کے بعد ایک ہزار سواروں کا دستہ اور تھا جس کے قائد خزیمہؓ بن ثابت انصاری تھے۔ وہ زرد عمامہ اور سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اور پھر ایک ہزار سواروں کا ایک اور دستہ تھا جس کی قیادت حضرت عمارؓ بن یاسرؓ کر رہے تھے۔ اس دستہ میں کئی مہاجر و انصار صحابہ اور ان کے بیٹے شامل تھے۔ اس کے بعد عبداللہ بن عباسؓ کا دستہ تھا۔ وہ ایک خوبصورت گھوڑے پر سوار اور سیاہ عمامہ پہنے ہوئے تھے۔ ہاتھ میں جھنڈا تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی دستے تھے۔ آخر میں حضرت علیؓ تھے۔ جن کے ساتھ ایک جم غفیر تھا، جو ہتھیار سجائے اور مختلف قبائل کے جھنڈے ہاتھوں میں لئے ہوئے تھے۔ حضرت عائشہؓ کی فوج بصرہ سے باہر پہلے ہی خیمہ زن تھی۔ حضرت علیؓ کے لشکر نے بھی اس کے سامنے پڑاؤ ڈال دئے۔ اب دونوں فوجیں آمنے سامنے تھیں۔ مضر کے مقابل مضر، ازد، ازد کے سامنے یمنی، یمنی کے مخالف۔ غرض ہر قبیلہ اپنے قبیلہ کا حریف بن کر اترا۔ یہ منظر بڑا دردانگیز اور رقت آمیز تھا۔ اگرچہ دل گو درد محبت سے بیتاب تھے تاہم اپنے عقیدہ کے مطابق ایک ہی ماں کے دو جگر پاروں میں ایک ادھر تھا ایک ادھر۔ دونوں کو حق دو جگہ نظر آ رہا تھا۔ اور حق طلبی کا جوش برادرانہ محبت پر غالب تھا۔

دونوں فوجیں بالمقابل تھیں۔ یہ کس قدر افسوس ناک امر تھا کہ کل تک جو تلواریں دشمنوں کا سر اڑاتی تھیں۔ اب وہ خود اپنوں اور دوستوں

کے سروں پر پڑنے والی تھیں۔ اور جو نیزے دشمنوں کے جگر کے پار ہوتے تھے اب وہ اپنے عزیزوں کے جگر کے پار ہونے والے تھے۔ حضرت زبیر رضؓ نے یہ منظر دیکھا تو فرمایا :۔

"آہ مسلمان جب زور و قوت میں پہاڑ بن گئے تو خود ٹکرا کر چور چور ہو جانا چاہتے ہیں"

ایک دوسرے کو پختہ یقین تھا کہ وہ حق پر ہے اور کوئی اپنی جگہ سے ایک قدم بھی پیچھے ہٹنا نہیں چاہتا تھا۔ کوفہ کے بعض قبیلوں کے سردار اپنے بصری قبائل کی مسجدوں میں گئے اور ان کو اس فتنہ سے علیحدہ رہنے کی ہدایت کی۔ اس پر سب نے بیک آواز کہا :۔

"کیا ہم ام المومنین کو تنہا چھوڑ دیں"

تاہم دونوں طرف لوگوں کو یقین تھا کہ معاملہ جنگ تک طول نہ کھینچے گا۔ بلکہ باہمی صلح سے طے ہو جائے گا۔ ایک قبیلہ کے سردار نے حضرت علی رضؓ سے صلح کی تحریک کی۔ وہ کہنے سے پہلے راضی تھے۔ وہاں سے اٹھ کر وہ حضرت طلحہ رضؓ حضرت زبیر رضؓ اور حضرت عائشہ رضؓ کے پاس آیا۔ اس نے حضرت عائشہ رضؓ سے پوچھا :۔

"ام المومنین رضؓ اس جنگ سے آپ کی کیا غرض ہے ؟"

فرمایا :۔

"عثمان رضؓ کے قاتلوں کی سزا اور اصلاح کی دعوت۔"

اس نے فرمایا

"ام المومنین رضؓ غور فرمائیے کہ پانچ سو آدمیوں کی سزا کے لئے
آپ نے پانچ ہزار کا خون بہایا اور پانچ ہزار کے لئے ہزاروں کا خون
بہانا ہوگا۔ کیا یہ اصلاح ہے؟"

یہ دلیل کچھ ایسی مؤثر تھی کہ کوئی جواب نہ دے سکا اور سب نے صلح پر رضامندی ظاہر کی۔ اور سب صاحبوں نے مل کر باہم فیصلہ کر لیا۔

اب ہر فریق مطمئن ہو گیا۔ جنگ وجدل کا خیال یک قلم دلوں سے محو ہو گیا اب اس میں کوئی شک نہیں رہا تھا کہ تمام معاملات صلح وآشتی سے طے ہو جائیں گے۔ لیکن وہ مفسدہ پرداز لوگ جنہوں نے حضرت عثمان رضؓ کے خلاف فتنہ پیدا کیا تھا اس صلح سے سخت متوحش اور خوفزدہ تھے اور انہیں اس کے پردہ میں اپنا ہولناک انجام نظر آ رہا تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ اگر حقیقت میں صلح ہو گئی تو ہم محفوظ نہیں رہ سکتے۔ اور پھر ہماری برسوں کی محنت اکارت چلی جائے گی۔ ان کا فائدہ اس میں تھا کہ دونوں فریقوں میں جنگ ہو اور زبردست جنگ ہو۔ سبائی فرقہ کی کثیر تعداد حضرت علی رضؓ کے ساتھ تھی۔ دونوں فریق رات کے پچھلے پہر جب آرام کی نیند سو رہے تھے سبائیوں نے پیش دستی کر کے شب خون مارا۔ اور دفعتاً ان چند شرارول نے ہر جگہ آگ لگا دی۔ حضرت علی رضؓ لوگوں کو روک رہے تھے۔ مگر کوئی نہیں سنتا تھا۔ ہر شخص بدحواس ہو کر ہتھیار کی طرف جھپٹ رہا تھا۔ ہر فریق یہ سمجھا کہ دوسرے نے بدعہدی کی ہے۔ شوروغل سن کر حضرت عائشہ رضؓ نے دریافت کیا کہ کیا ہے معلوم ہوا کہ جنگ شروع ہو گئی ہے۔ بصرہ کے قاضی

کعبؓ بن سعد نے حضرت عائشہ رض سے آکر عرض کی آپ سوار ہو کر چلیں، شاید آپ کے ذریعہ سے لوگ صلح کر لیں۔ وہ ہودج میں سوار ہو کر اپنی فوج کے قلب میں آئیں۔ لوگوں نے حفاظت کی خاطر آپ کے ہودے کو پہلے چیتے کی کھالوں سے ڈھانپا اور پھر چاروں طرف سے لوہے کی زرہیں ڈال دیں تاکہ ام المومنین رض تیروں کی زد سے محفوظ رہیں۔ حضرت علی رض نے حضرت طلحہ رض اور حضرت زبیر رض کو بُلا بھیجا۔ تینوں بزرگ گھوڑوں پر سوار ہو کر ایک جگہ مل کر کھڑے ہوئے۔ ذرا سوچئے تو یہ کیسا پر اثر منظر ہوگا۔ کہ بدر اور اُحد کے ہیرو اب خود دست و گریباں ہیں۔ حضرت علی رض نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشین گوئی یاد دلائی۔ دفعتاً ان دونوں حضرات کو وہ پیشین گوئی یاد آگئی۔ حضرت زبیر رض نے گھوڑے کی باگ موڑی۔ اور میدان سے باہر نکل کر مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ ایک سبائی جرموز نامی نے دیکھ لیا۔ وہ پیچھے ہولیا۔ ایک بادیہ میں آکر جب حضرت زبیر رض نماز میں مصروف اور سربسجود تھے۔ اس ظالم نے ان پر تلوار کا ایک ایسا وار کیا کہ سر دھڑ سے الگ ہو گیا۔ وہ سر اور تلوار لے کر حضرت علی رض کے پاس آیا۔ وہ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا:-

"یہ وہی تلوار ہے جس نے کئی دفعہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے چہرہ سے مشکلات کا بادل ہٹایا ہے۔"

حضرت طلحہ رض بھی واپسی کا عزم کر رہے تھے کہ ان پر مروان اموی کی نظر پڑ گئی۔ اس کا خیال تھا کہ ان کی زندگی خاندان اموی کے لئے سنگ راہ ہے زہر میں بجھا ہوا ایک تیر ایسا تاک کر مارا کہ گھنٹہ میں پیوست ہو گیا۔ خون کسی

طرح نہ تھا اور آخر اسی حالت میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔

ادھر جنگ شدّت اختیار کرتی جا رہی تھی۔ کعبؓ بن سعد کو حضرت عائشہؓ نے اپنا قرآن دیا کہ لوگوں کو یہ دکھا کر صلح کی دعوت دو۔ وہ قرآن.. کھول کر دونوں صفوں کے درمیان کھڑے ہو گئے۔ مفسدوں نے ادھر سے ایسا تیر مارا کہ جاں بحق ہو گئے۔

اب دوپہر ہو گئی تھی۔ چونکہ حملہ اچانک ہُوا تھا۔ فوج کے جو جرنیل تھے انہوں نے اس فتنہ سے کنارا کشی اختیار کر لی تھی۔ اس لئے حضرت عائشہؓ کی فوج کا پہلو کمزور ہو گیا تھا۔ لڑنے والے کون تھے؟ بھائی بھائی۔ حملہ میں میں ہاتھ پاؤں پر وار کرتے تھے۔ سر دسینہ کو بچاتے تھے کہ مقصود اس غیر متوقع جنگ کو روک دینا تھا۔ ہر جگہ کٹے ہوئے ہاتھ پاؤں کا ڈھیر تھا۔

سبائیوں کا ارادہ تھا کہ اگر حضرت عائشہؓ ہاتھ آگئیں تو وہ سخت تحقیر کے ساتھ پیش آئیں گے۔ چنانچہ حضرت طلحہ رضؓ اور حضرت زبیرؓ کے بعد اہل کوفہ ان پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھے۔ ان کے طرف داروں نے ہر طرف سے سمٹ سمٹ کر ان کو اپنے حلقہ میں لے لیا۔ مصری قبائل اور ان میں بھی بنو عدی اور بنو ضبہ کے لوگ جوش و خروش سے بپھرے ہوئے تھے۔ ادھر سے دشمنوں کا ریلا تھا۔ مگر یہ ام المومنین رضؓ کی عزت و احترام کے تحفظ کے لئے اپنی جانیں فدا کر رہے تھے۔ اونٹ اپنی جگہ پر کھڑا تھا۔ آہنی ہودہ تیروں کی بارش سے چھلنی ہو رہا تھا۔ مگر بنو عدی اور بنو ضبہ کے لوگ آگے پیچھے داہنے بائیں اس ریلہ کو پیچھے ہٹا رہے تھے۔ بنو ازد بھی ان کے ساتھ

بہادری سے لڑ رہے تھے۔ ان کی زبان پر رجز کے فخریہ اشعار تھے:۔

"اے ہماری ماں، اے ہماری بہتر ماں۔ جس کو ہم جانتے ہیں۔ آپ نہیں دیکھتیں کہ کتنے بہادر زخمی کئے گئے اور ان کے سر اور ہاتھ کاٹ ڈالے گئے۔"

جوش کا یہ عالم تھا کہ بنو ضبہ کا ایک آدمی آگے بڑھتا اور اونٹ کی نکیل پکڑ کر کھڑا ہو جاتا۔ وہ گرتا تو دوسرا اس فرض کو انجام دینے کے لئے آگے بڑھتا وہ مارا جاتا تو تیسرا آگے بڑھ کر نکیل تھام لیتا۔ اس طرح ستر آدمیوں نے اپنی جانیں دیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ بھی پاس کھڑے تھے۔ جس شخص نے اونٹ کی طرف ہاتھ بڑھایا اس کا ہاتھ اڑا دیا۔ کہتے ہیں کہ فضا میں ہر جگہ ہاتھ اڑ رہے تھے۔ یہ دیکھ کر کہ حضرت علیؓ بھیڑ کے چھانٹنے کو خود آگے بڑھے۔ اشترنخعیؒ (اصلی نام مالک) حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے قریب پہنچ گئے۔ دونوں مشہور بہادر تھے۔ تلواروں کے ردوبدل ہونے لگے۔ دونوں زخمی ہو گئے تو دوڑ کر ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔ ابن زبیرؓ نے چلا کر کہا:۔

"مجھ کو اور مالک کو مار ڈالو۔ میرے ساتھ مالک کو بھی مار ڈالو۔"

اشتر کہتے تھے کہ مالک کے نام سے مجھ کو لوگ جانتے نہ تھے ورنہ میری بوٹی بوٹی اڑا دیتے۔

جب حضرت علیؓ نے یہ ماجرا دیکھا تو انہیں یقین ہو گیا کہ جب تک حضرت عائشہؓ کا اونٹ میدان جنگ میں موجود ہے جنگ کی شدت میں کمی نہ آئے گی

اس لئے انہوں نے چند آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ کسی نہ کسی طرح پیچھے جاکر اونٹ کونچیں کاٹ ڈالیں۔ چنانچہ وہ لوگ جان ہتھیلی پر رکھ کر گئے اور اونٹ کی کونچیں کاٹ کر اسے گرا دیا۔ جب حضرت عائشہ رضؓ کی فوج نے اونٹ کو گرتے دیکھا تو اس نے حوصلے ہار دیئے اور میدان سے بھاگ نکلی۔ جب حضرت علی رضؓ نے یہ دیکھا تو فوراً یہ اعلان کر دیا کہ کوئی شخص نہ کسی بھاگنے والے کا پیچھا کرے نہ کسی زخمی پر تلوار چلائے اور نہ کسی کے گھر میں داخل ہو۔

اونٹ کے گرتے ہی حضرت عمارؓ بن یاسر اور محمدؓ بن ابی بکر نے دوڑ کر ہودے کو سنبھالا۔ محمدؓ بن ابی بکر نے ہاتھ اندر لے جاکر دیکھنا چاہا کہ کہیں زخم تو نہیں آیا۔ حضرت عائشہ رضؓ نے ڈانٹا کہ یہ کس ملعون کا ہاتھ ہے۔ محمدؓ بن ابی بکر نے کہا:۔

"تمہارے بھائی محمد کا۔ بہن کہیں چوٹ تو نہیں آئی؟

فرمایا:۔

"تم محمد نہیں مذمم ہو"

اتنے میں حضرت علیؓ آپہنچے۔ انہوں نے خیریت دریافت کی حضرت عائشہ رضؓ نے جواب دیا۔ اچھی ہوں

حضرت علی رضؓ نے ان کو ان کے طرف دار عبداللہؓ بن خلف خزاعی کے گھر ٹھہرایا۔ حضرت عائشہ رضؓ کی فوج کے تمام زخمیوں نے اس گھر کے ایک گوشہ میں آکر پناہ لی۔ اس کے بعد حضرت علی رضؓ اور حضرت ابن عباس رضؓ ملنے کو آئے

حضرت علی رضؓ کو اچھی طرح معلوم ہو گیا تھا کہ اس گھر میں تمام زخمی پناہ گزیں ہیں۔ مگر انہوں نے کسی سے تعرض نہیں کیا۔

حضرت علی رضؓ تین روز تک شہر کے باہر ٹھہرے رہے۔ پہلے آپ نے جنگ کے تمام مقتولین کی نماز جنازہ پڑھائی اور پھر ایک بہت بڑا گڑھا کھود کر انہیں اس میں دفن کر دیا گیا۔ ان کے لشکریوں نے میدان جنگ سے جو چیزیں لوٹی تھیں حضرت علی رضؓ نے سب چیزیں ان سے واپس لے لیں اور بصرہ کی مسجد میں بھیج کر اعلان کرا دیا کہ جس جس کی چیز ہو وہ پہچان کر لے جائے۔ البتہ اہل بصرہ کے ہتھیار انہیں واپس کر دیئے گئے۔

مقتولین کو دفن کرنے کے بعد حضرت علی رضؓ نے حضرت عائشہ رضؓ کی واپسی کا انتظام کیا۔ انہیں نہایت عزت و احترام سے محمدؓ بن ابی بکر کی نگرانی میں چالیس معزز عورتوں کے جھرمٹ میں حجاز کی طرف روانہ کیا۔ عام مسلمانوں اور خود حضرت علی رضؓ نے دور تک مشایعت کی۔ امام حسن رضؓ میلوں تک ساتھ گئے۔ چلتے وقت تمام مجمع کے سامنے حضرت عائشہ رضؓ نے اقرار کیا کہ انہیں حضرت علی رضؓ سے کسی قسم کی کدورت نہیں تھی اور نہ اب ہے۔ ہاں ساس داماد میں کبھی کبھی جو بات ہو جایا کرتی ہے اس کی میں نفی نہیں کرتی۔ حضرت علی رضؓ نے بھی اسی قسم کے الفاظ فرمائے۔ اس کے بعد یہ مختصر قافلہ حجاز کی طرف روانہ ہو گیا۔

جنگِ جمل میں مقتولین کی تعداد دس ہزار کے لگ بھگ تھی جن میں سے نصف حضرت علی رضؓ کی فوج کے تھے اور نصف حضرت عائشہ رضؓ کی فوج کے۔

حضرت عائشہ رضؓ بخیریت مکہ پہنچ گئیں۔ حج کے چند مہینے باقی تھے۔ اتنے عرصہ

تک وہ وہیں مقیم رہیں۔ پھر وہ بدستور روضہ نبویؐ کی مجاور تھیں۔ اور اپنی اِس اجتہادی غلطی پر کہ جو طریقہ اصلاح کا انہوں نے اختیار کیا تھا وہ کہاں تک مناسب تھا ان کو عمر بھر افسوس رہا[1]۔

ماخذ

(۱) تاریخ اسلام جلد اول — شاہ معین الدین ندوی

(۲) سیرۃ عائشہ رضؓ — علّامہ سید سلیمان ندوی

[1] حضرت مجدد الف ثانی رحؒ مکتوب ۲۶۶ دفتر اول میں تحریر فرماتے ہیں ؎

وآنچہ درمیان صحابہ رضؓ از منازعات و مشاجرات گذشتہ بر محامل نیک صرف باید کرد و از ہوا و تعصب دور باید داشت۔ و شک نیست کہ خطا اجتہادی از ملامت دور است و از طعن و تشنیع مرفوع۔ مراعات حقوق صحبت خیر البشر علیہ و مع والہ الصلوات والتسلیمات نمودہ جمیع اصحاب کرام رضؓ را بہ نیکی یاد باید کرد و بدوستی پیغمبر علیہ السلام ایشاں را دوست باید داشت۔

ترجمہ: اصحابہ رضؓ کے درمیان جو جھگڑے اور لڑائیاں ہوئیں ان کو نیک نیتی پر محمول کرنا چاہیئے۔ ان میں نفسانیت اور تعصب کو کوئی دخل نہ تھا۔ بیشک اجتہادی غلطی قابل ملامت نہیں اور اس پر طعنہ نہیں دیا جا سکتا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ تمام حضرات کو ہمیشہ نیکی سے یاد کرنا چاہیئے ان حضرات کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت تھی اور اس محبت کی وجہ سے ہمیں بھی تمام صحابہ کرام رضؓ کے ساتھ محبت رکھنا چاہیئے۔

لرزہ خیز انتقام

عباسیوں کے مظالم بنی امیّہ پر

[خلافت بنی امیہ کے خاتمہ پر دولت عباسیہ کا قیام عمل میں آیا۔ پہلا خلیفہ ابو العباس سفاح تھا۔ اس نے اور اس کے ساتھیوں اور عزیزوں نے اموی خاندان سے لرزہ خیز انتقام لیا]

۱۲۶ھ میں یزید بن ولید تخت خلافت پر بیٹھا۔ اگرچہ یہ عبادت گذار تھا۔ مگر انتظامی قابلیت کم تھی۔ اس لئے اس کو یزید الناقص کہا جاتا ہے۔ سلطنت میں زوال و انحطاط کے آثار شروع ہو ہی چکے تھے۔ اس کے تخت نشین ہوتے ہی مخالفتوں اور بغاوتوں کا کوہ آتش فشاں پھٹ پڑا۔ اور آخری خلیفہ مروان ثانی کے عہد میں ان مخالفتوں اور بغاوتوں نے اموی حکومت کے جاہ و جلال کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔

مروان سن رسیدہ اور تجربہ کار تھا۔ دور اندیش بھی تھا۔ لیکن بد قسمتی

سے تخت حکومت اس وقت ملا جب ملک جو عام بدنظمی اور شورش بپا تھی خراسان عباسی دعوت کا مستقر و مرکز بنا ہوا تھا۔ اس تحریک کو اب ابھرنے کا موقعہ مل گیا۔ عباسی دعوت کا مبلغ اور سپہ سالار ابو مسلم خراسانی تھا اس نے جب دیکھا کہ بنی امیہ پر کاری ضرب لگانے کا وقت آگیا ہے۔ تو اس نے ایک بڑا لشکر اکٹھا کیا جو ایک لاکھ سپاہیوں پر مشتمل تھا اور مروان پر حملہ کر دیا۔ مروان موصل اور اربل کے درمیان زاب اعلیٰ کے کنارہ پر ایک فوج گراں لئے خیمہ زن تھا۔ یہاں دونوں میں گھمسان کی جنگ ہوئی اور مروان شکست کھاکر دمشق اور فلسطین سے ہوتا مصر کی جانب بھاگا۔

دریائے نیل کے مغربی کنارہ پر واقعہ بوصیر (BUSIR) کے مقام پر ایک چھوٹے سے عیسائی گرجا میں چھپ گیا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ دشمن اس کا تعاقب کرتے کرتے گرجا کے دروازہ پر پہنچ گیا ہے وہ تلوار لے کر باہر نکلا اور حملہ آور ہوا لیکن دشمن کا نیزہ اس کے سینے میں پیوست ہوا اور وہ مارا گیا۔ اس کی موت کے ساتھ ہی ۱۳۲ھ سنہ میں اموی حکومت کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہوگیا۔

مروان کے قتل اور اموی حکومت کے خاتمہ کے بعد بھی بنی عباس کے جذبۂ انتقام کو تسکین نہ ہوئی اور انہوں نے عوام کے دلوں پر اپنا رعب و دبدبہ بٹھانے کے لئے نہایت بے دردی سے اموی خاندان کا نام و نشان مٹانا شروع کیا۔ چنانچہ سفاح تخت خلافت پر بیٹھتے ہی اپنے ساتھیوں کی مدد سے اموی خاندان کے افراد اور ان کے مددگاروں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر موت کے گھاٹ اتارنے لگا۔ اس جوش انتقام میں اس پرانی عداوت کو بھی بڑا دخل تھا جو ہاشمیوں اور امویوں کے درمیان زمانۂ جاہلیت سے چلی آتی تھی۔ شعراء اور

سلطنت کے ابن الوقت عناصر نے اس آگ پر اور تیل چھڑکا ۔ بنی امیہ نے اپنے دورِ حکومت میں اہل بیت پر جو سختیاں کی تھیں ۔ وہ اس مجنونانہ انتقام کے لئے مہمیز کی حیثیت رکھتی تھیں ۔

عباسیوں نے امویوں سے امام ابراہیم کا بڑا خوفناک انتقام لیا جو آخری اموی خلیفہ مروان کے عہد میں حران کے مقام پر قتل کئے گئے تھے ۔ ان کے بدلہ اموی خاندان کے تقریباً تین سو افراد سفاح کے چچا محمد بن علی نے قتل کئے ۔ ان میں ابراہیم بن ولید بن عبدالملک اور یزید ثانی کا بھائی بھی شامل تھا ۔ اس کے بعد عبداللہ بن علی نے یزید بن معاویہ بن عبدالملک اور عبدالجبار بن یزید بن عبدالملک کو گرفتار کیا اور انہیں سفاح کے پاس بھیج دیا ۔ اس نے ان دونوں کو قتل کرا دیا اور عبرت کے لئے ان کی لاشیں سولی پر لٹکا دیں ۔ سلیمان بن علی عامل بصرہ نے تو یہاں تک کیا کہ بہت سے اموی جو بیش قیمت لباس پہنے ہوئے تھے ان کو قتل کر دیا اور اس کے بعد پیروں میں رسیاں بندھوا کر ان کی بے گور و کفن لاشوں کو شاہراہِ عام پر ڈلوا دیا ، جہاں ان کے جسم کتوں کے لئے سامان ضیافت بنے ۔ فلسطین میں دریائے ابی فطرس پر عبداللہ بن علی نے بنی امیہ کی ایک بہت بڑی تعداد کو موت کے گھاٹ اتار دیا ۔

مروان بن محمد کا سر جب سفاح کے سامنے لایا گیا تو وہ جوش مسرت میں سجدہ میں گر پڑا اور دیر تک سجدہ میں پڑا رہا ۔ پھر سر اٹھا کر کہا :-

"خدا کا شکر ہے میں نے تجھ سے اور تیرے خاندان

سے پوری طرح انتقام لے لیا۔ خدا نے مجھے تیرے مقابلہ
میں کامیابی دی اور میرا تسلط قائم کیا۔ اب مجھے اپنی موت
کا کوئی غم نہیں ہے جب چاہے وہ آسکتی ہے۔ میں حسین رضؓ
اور ان کے عزیزوں کے بدلے دو سو اموی افراد کو موت..
کے گھاٹ اتار چکا ہوں، اپنے چچازاد بھائی زید بن علی کے
بدلہ ہشام کی ہڈیاں تک جلا چکا ہوں اور اپنے بھائی ابراہیم
کے بدلہ مروان کا سر اپنے سامنے پڑا ہوا دیکھ رہا ہوں۔"

اوپر یہ بیان ہو چکا ہے کہ اموی حکومت کی بربادی کے بعد عباسیوں کا جذبۂ انتقام مشتعل کرنے میں شاعروں اور ابن الوقت عناصر کا بھی بہت کچھ دخل تھا۔ ایک دن سفاح دربار خلافت میں بیٹھا تھا۔ اس کے پاس سلیمان بن عبدالملک بھی موجود تھا جس سے وہ بڑے عزت و احترام سے پیش آ رہا تھا۔ اتفاق دیکھئے کہ اس زمانہ کا ممتاز شاعر سدلیف دربار میں حاضر ہوا اور اس نے ذیل کے دو شعر پڑھے:

"اے سفاح تجھ کو یہ لوگ جنہیں تو دیکھ
رہا ہے کہیں دھوکہ میں مبتلا نہ کر دیں۔ ان کی پسلیوں میں
چھپی ہوئی بیماریاں ہیں، یعنی ان کا دل صاف نہیں ہے تو تلوار
سے کام لے، کوڑا اٹھا، یہانتک کہ زمین کی پشت پر ایک
اموی کو بھی زندہ نہ چھوڑ۔"

یہ بڑے اشتعال انگیز اشعار تھے۔ سلیمان کا ماتھا ٹھنکا اور اس نے

بڑے تاسف سے سدیف کی طرف مخاطب ہو کر کہا :-

"تم نے میری موت کو آواز دی ہے "

سلیمان کا اندیشہ ٹھیک نکلا - اشعار سن کر سفاح کے تیور بدل گئے اور اس نے سلیمان کو گدی سے پکڑا اور تلوار کی ایک ہی ضرب سے اس کا خاتمہ کر دیا۔ عبداللہ بن علی (عبداللہ سفاح کے چچا) اموی خاندان کے تقریباً ۸۰ اشخاص کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا - اس موقعہ پر شبل بن عبداللہ شاعر نے چند اشعار پڑھے جن میں اموی حکمرانوں کے ظلم و ستم کا بڑے مبالغہ سے تذکرہ کیا گیا تھا - جو اہل بیت کے ساتھ کئے گئے تھے - یہ سُنکر عبداللہ بن علی کو امام ابراہیم کے قتل کا اندوہناک واقعہ یاد آ گیا اور اس نے ان افراد کے جو اس وقت موجود تھے - قتل کا حکم دیا کچھ مر گئے کچھ نیم جان ہو کر گر پڑے - پھر ان کے نیم جان جسموں پر دستر خوان بچھوایا اور سرور و انبساط کے ساتھ کھانا شروع کیا اور نیم جان افراد کی درد انگیز کراہیں اس کے سرور میں اور اضافہ کر رہی تھیں - یہ کھانا کھاتے رہے اور وہ تڑپتے رہے - حتّٰی کہ یہ کھانا کھا چکے اور وہ سب کے سب مر گئے۔

عباسیوں نے امویوں کو لرزہ خیز سزائیں دینے میں وحشت و بہیمیت کی انتہا کر دی - جبر و تشدّد اور ظلم و ستم اور قتل پر اکتفا نہیں کیا گیا - بلکہ اس پر بھی جب آتشِ انتقام نہ بجھی تو عبداللہ بن علی نے بنو امیہ کے جلیل القدر خلفاء، امیر معاویہ، عبدالملک بن مروان اور ہشام بن عبدالملک کی قبریں کھدوائیں۔

امیر معاویہؓ کی قبر میں کمزور دھاگے کے نشانات کے سوا کچھ نہ تھا۔ ہشام کی نعش بجز اس کی ناک کے بانسہ کے بالکل صحیح سالم تھی۔ اس کو کوڑوں سے پٹوایا۔ یزید بن معاویہ کی قبر بھی کھودی۔ اس میں لکڑیوں کی راکھ کے سوا کچھ نہ تھا۔ جب سفاح بن اُمیہ کے ممتاز افراد کو موت کے گھاٹ اُتار چکا اور ان کا سارا مال و دولت ضبط کر لیا اور پوری طرح یقین ہو گیا کہ اب دولت عباسیہ کو امویوں سے کوئی خطرہ نہیں ہے، اس وقت اس نے اطمینان کا سانس لیا۔

لیکن عباسیوں کے دلوں میں امویوں سے انتقام لینے کا جو بے پناہ جذبہ موجود تھا وہ سفاح کی موت کے ساتھ ختم نہیں ہو گیا۔ بلکہ اس کا مظاہرہ عباسیوں کے دور حکومت میں وقتاً فوقتاً ہوتا رہا۔ خلیفہ ہادی کے ایک خاص امیر عیلیٰ بن داب کا بیان ہے کہ ایک روز ہادی نے مجھے رات کے وقت بلایا۔ یہ پہلا اتفاق تھا کہ اس نے رات کے وقت مجھے بلوایا ہو۔ ورنہ اس وقت بلوانا اس کے معمول کے خلاف تھا۔ میں نہ سمجھ سکا کہ آخر ایسے بیوقت طلب کرنے کی وجہ کیا ہو سکتی ہے۔ بہر حال میں ہادی کی خدمت میں حاضر ہوا وہ چھوٹے سے ایک کمرہ میں بیٹھا تھا۔ مجھے دیکھ کر بولا:۔

"عیلیٰ —"

میں نے جواب دیا:۔

"امیر المومنین ارشاد —"

ہادی نے کہا:۔

لہ ہٹی (جو کہ دراصل عربی لبنان کا عربی النسل عیسائی اور آج کل امریکن ہے) اپنی کتاب (THE NEAR EAST IN HISTORY) میں لکھتا ہے کہ معاویہؓ اور عمر بن عبدالعزیزؒ کی قبروں کو چھوڑ کر باقی تمام خلفائے بنی امیہ کی قبروں کو اکھاڑ کر ان کی لاشوں کی عباسیوں نے بیحرمتی کی۔

"آج رات مجھے نیند نہیں آ رہی ہے۔خیالات اور غم والم کا ایک ہجوم سا ہے جو مجھے سونے نہیں دے رہا ہے۔بنی امیہ، بنی حرب اور بنی مروان نے ہمارے خاندان کے افراد کی جو خونریزی کی ہے اسے سوچ سوچ کر میرا خون کھول رہا ہے۔"

میں نے جواب دیا:۔

امیر المومنین رضؓ اس خیال سے آپ کو سکون ہونا چاہیئے۔کہ عبداللہ بن علی رضؓ نے دریائے ابی فطرس پر اموی خاندان کے فلاں فلاں ممتاز فرد کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔"

اس کے بعد میں نے ایک ایک کا نام لیا۔پھر میں نے اسے یاد دلایا کہ جس وقت عبداللہ بن علی امویوں کو دریائے ابی فطرس پر موت کے گھاٹ اتار رہا تھا۔اس وقت آپ کا دوست اور رفیق حجاز میں بنی امیہ کے قتل عام میں مصروف تھا۔

یہ باتیں سُنکر ہادی بہت خوش ہُوا اور اس کے چہرہ پر بشاشت اور انبساط کے آثار نمایاں ہو گئے۔

بنی امیہ پر سب وشتم کا سلسلہ برابر جاری رہا۔مامون اپنے پیش رو عباسی خلفاء سے بھی آگے تھا۔اس نے حکم دے دیا تھا۔کہ پوری سلطنت کی مسجدوں کے منبروں پر بنی امیہ پر لعن طعن اور سب وشتم کیا جائے۔

مسعودی کے الفاظ ہیں:۔

"پوری عباسی سلطنت میں سرکلر جاری کئے گئے کہ بنو امیہ پر منبروں پر سے لعنت نہ بھیجی جائے۔"

ماخذ

تاریخ اسلام جلد دوم	شاہ معین الدین ندوی
مسلمانوں کی سیاسی تاریخ جلد دوم	ڈاکٹر ابراہیم حسن

جنگ انگورہ (ترکی)

[مسلمانوں کی تاریخ میں جنگ انگورہ بڑی افسوسناک ہے۔ اگر یہ معرکہ برپا نہ ہوا ہوتا تو سارا یورپ مسلمانوں کا محکوم ہو جاتا۔ اور تاریخ کسی اور طرح لکھی جاتی]

سلطان بایزید یلدرم ترکوں میں بڑا طاقت ور اور دبدبہ والا بادشاہ تھا۔ اپنے عہد حکومت کے ابتدائی بارہ سال کی مدت میں جو مسلسل جنگوں پر مشتمل تھی اس نے ہمیشہ کامیابی وکامرانی کا منہ دیکھا۔ اس نے ایشیائے کوچک کے بڑے حصہ کو اپنی سلطنت میں شامل کیا۔ یورپ کے کئی علاقوں کو مفتوح کیا۔ اور نائکو پولس کے میدان میں اس نے یورپ کی متحدہ اور بہترین فوجوں کو نہایت سخت شکست دے کر صلیبی اتحاد کی قوت کو پاش پاش کر ڈالا۔ عین اس وقت جب وہ اپنے عروج پر تھا سارا یورپ اسکی

ہیبت سے کانپ رہا تھا اور نئی فتوحات اس کے پیشِ نظر تھیں اس کے اور تیمور کے درمیان آویزش پیدا ہوگئی - اور اس کا نتیجہ بڑا افسوسناک نکلا -

۸۰۰ھ میں جب تیمور ہندوستان میں تھا تو اسے یہ اطلاع ملی کہ بایزید یلدرم یورپ میں فتح پر فتح حاصل کر رہا ہے - اس اطلاع کے ساتھ ہی قیصرِ روم یعنی قسطنطنیہ کے ایک عیسائی بادشاہ کا ایک ایلچی امیر تیمور کی خدمت میں حاضر ہوا اور قیصرِ روم کا ایک خط اسے دیا - اس خط میں لکھا تھا کہ :-

"بایزید کے پاس آپ کے (امیر تیمور کے) مفرور مجرم سلطان احمد اور قرا یوسف ترکمان راحت و آرام اور عزت و احترام کی زندگی بسر کر رہے ہیں - اس میں آپ کی بڑی بے عزتی ہے - بایزید نے ہماری قدیم سلطنتوں اور عزتوں کو پارہ پارہ کر دیا ہے - حالانکہ ہارون الرشید اور معتصم باللہ عباسی خلفاء نے بھی ہماری سلطنت کو مٹانا نہیں چاہا - اور مسلمانوں نے ہمیشہ ہماری سلطنت و حکومت کو عزت و تکریم کی نگاہ سے دیکھا ہے - نیز بایزید نے اپنی فوجیں داغستان میں بھی جمع کی ہیں - وہ بہت جلد آذربائیجان وغیرہ پر قبضہ کیا چاہتا ہے آپ اس طرف آئیں، اپنی سرحدوں کو بچائیں اور ہم کو بھی اس مصیبت سے نجات دلائیں"

امیر تیمور اس خط کو پڑھ کر برہم ہوگیا - کاش کہ وہ قیصر کو ایسا ہی منہ توڑ اور

مسکت جواب دیتا جو ساڑھے سات سو برس پہلے حضرت امیر معاویہؓ نے قیصر کو دیا تھا کہ :-

"اگر تیرے مقابلہ کے لئے حضرت علیؓ کے لشکر کو حرکت کرنا پڑی تو سب سے پہلا سردار جو حضرت علیؓ کے علم کے نیچے تجھ پر حملہ آور ہوگا وہ معاویہ ہوگا"

مگر تیمور نے دانشمندی اور حوصلہ سے کام نہیں لیا۔ ایک تو وہ جذبۂ رقابت پر غالب نہ آسکا۔ وہ یہ برداشت نہ کرسکا کہ بایزید بھی قوت وطاقت حاصل کرے۔ دوسرے سلطان احمد اور قرا یوسف ترکمان کے بایزید کی پناہ میں چلے جانے کو وہ اپنی توہین سمجھا۔ اس نے بایزید کو ایک تہدیدی خط لکھا کہ ہمارے مفرور مجرموں کو فوراً واپس کردو۔ بایزید نے صاف انکار کردیا۔

چنانچہ ۸۰۳ھ۔ مطابق ۱۴۰۰ء میں تیمور عثمانی سرحد میں آرمینیا کی طرف سے داخل ہوا اور سیواس کا محاصرہ کرلیا۔ سیواس چند سال پہلے ہی بایزید کے قبضہ میں آیا تھا۔ اس شہر کی دیواریں نہایت مستحکم تھیں۔ اگرچہ تیمور کے ساتھ سات آٹھ لاکھ فوج تھی۔ مگر بایزید کے سب سے بڑے لڑکے ارطغرل کی سرکردگی میں ترکی دستہ نے ایسی جانبازی دکھائی کہ شروع میں حملہ آور کامیاب نہ ہوسکے۔ آخر تیمور نے ایک ایسی تدبیر اختیار کی جس کا محاصرین کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ اس نے چھ ہزار مزدور لگا کر دیواروں کی بنیادیں کھدوانا شروع کردیں۔ اور اس کے درمیان میں شہتیروں کی تھونی لگا کر دیواروں کو گرنے سے روکے رکھا۔ جب کھدائی کا کام مکمل ہوگیا اور بنیادوں کے اندر

بڑی بڑی سرنگیں تیار ہو گئیں تو شہتیروں میں آگ لگوا دی گئی۔ دیکھتے دیکھتے تمام دیواریں انہی سرنگوں میں بیٹھ گئیں۔ حملہ آوروں کے لئے اب کوئی روک نہ تھی۔ شہر پر قبضہ ہو گیا۔ تیمور نے شہر کے چار ہزار ترک قیدیوں کے ساتھ انسانیت سوز برتاؤ کیا اور وہ یہ کہ انہیں اور بایزید کے بیٹے ارطغرل کو زندہ دفن کرا دیا۔

بایزید اس وقت قسطنطنیہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھا۔ جب اس نے یہ سنا کہ سیواس امیر تیمور نے فتح کر لیا ہے اور اس کے لڑکے کو زندہ دفن کر دیا ہے تو وہ فوراً وہاں سے روانہ ہوا اور ایشیائے کوچک پہنچا۔ لیکن تیمور اس دوران میں شام اور مصر کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔ دو سال کے بعد وہ پھر لوٹا اور سیواس پہنچنے کے بعد بایزید اور اس کے درمیان دوبارہ خط و کتابت شروع ہوئی جو بہت تند و تیز تھی۔ اب جنگ کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

بایزید ایک لاکھ بیس ہزار فوج کے ساتھ تیمور سے مقابلہ کے لئے سیواس کی طرف بڑھا۔ مگر تیمور کی کثیر فوج کے لئے جس کی تعداد آٹھ لاکھ کے قریب تھی سیواس کا میدان تنگ تھا۔ اس لئے وہ بایزید کے پہنچنے سے پہلے ہی انگورہ کی طرف چل پڑا اور انگورہ کا محاصرہ کر لیا۔ اسے یقین تھا کہ بایزید ضرور انگورہ کو بچانے کی کوشش کرے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور بجائے سیواس جانے کے بایزید نے فوراً انگورہ کی طرف کوچ کر دیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ تیمور شہر کے شمال مغرب کی جانب جو میدان ہے، وہاں خیمہ زن ہے۔ یہ میدان فوجی نقطۂ نظر سے بہترین تھا۔ تیمور نے صرف یہی

نہیں کیا تھا کہ اس اہم میدان پر قبضہ کر لیا تھا بلکہ بایزید کے مقابلہ کے لئے اور تمام ضروری و احتیاطی تدابیریں کر لی تھیں۔ وہ بایزید کی قوت و طاقت سے پوری طرح آگاہ تھا۔ اس لئے ہر ممکن طریقہ سے اسے کمزور کرنے کے ذرائع اختیار کر چکا تھا۔ بایزید کی فوج میں ایک بڑی تعداد تاتاریوں کی بھی تھی۔ تیمور کے جاسوس بھیس بدل کر ترکی فوج میں جاتے تھے۔ اور ان تاتاری سپاہیوں کو اندر اندر بایزید کے خلاف ابھارتے رہتے تھے۔ آخر ان پر اس کا اثر ہو کے رہا اور وہ عین جنگ کی حالت میں ٹوٹ کر تیمور کی فوج سے جا ملے۔ بایزید کچھ جزورس اور بخیل بھی تھا، اس لئے اس کی فوج میں پہلے ہی سے بد دلی پھیلی ہوئی تھی۔ جسے تیمور کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں نے اور بھی تیز کر دیا۔ ترکی فوج کے افسروں نے یہ صورتِ حالات دیکھ کر بایزید کو جنگ سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ مگر بایزید نہ مانا اور اپنی قوت کے گھمنڈ میں تیمور کی فوجی طاقت کا صحیح اندازہ بھی نہ کر سکا۔ اس نے یہ بھی نہ کیا کہ اس موقع پر فراخ دلی سے کام لے کر سپاہیوں کو انعام و اکرام دیتا تاکہ وہ خوش ہو جاتے۔ برخلاف اس کے تیمور کے مقابلہ میں محض اس شان استغنا کے مظاہرہ کی غرض سے وہ انگورہ پہنچنے کے بعد ایک روز پوری فوج کو ساتھ لے کر شکار کے لئے روانہ ہو گیا۔ جس جگہ شکار کے لئے گیا وہاں پانی بہت کم تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پانچ ہزار ترک سپاہی پیاس کی شدت سے مر گئے جو باقی رہ گئے وہ گرمی اور پیاس کی شدت سے خستہ حال تھے۔

بایزید جب شکار سے واپس آیا تو اس نے دیکھا کہ اس کے لشکر گاہ پر

تیمور کا قبضہ ہے اور جس چشمہ سے فوج پانی لے سکتی تھی اس کا رُخ بھی تاتاریوں نے پھیر دیا ہے۔ اس کی وجہ سے پانی بہت کم دستیاب ہو سکتا تھا۔ اب تاخیر میں اور نقصان تھا اور فوراً جنگ شروع کر دینے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ چنانچہ چہار شنبہ ۱۷ ذی الحجہ ۸۰۴ھ (۲۰ جولائی ۱۴۰۳ء) کو وہ فیصلہ کن معرکہ پیش آیا جس نے مسلمانوں کی تاریخ کا رُخ بدل دیا۔ لڑائی طلوعِ فجر سے قبل شروع ہو گئی تھی اور غروب آفتاب کے بعد تک جاری رہی۔ اس روز بایزید نے سپہ گری اور شجاعت و مردانگی کے جوہر خوب دکھائے۔ اس کی خاص فوج بھی غیر معمولی بہادری سے لڑی اور تاتاریوں کے دانت کھٹے کر دیئے لیکن تیمور کی فوجی قابلیت اور اس کی فوجی کثرت کے سامنے بایزید کی ساری کوششیں بے سود نظر آنے لگیں۔ علاوہ بریں زیادہ نقصان اسے اپنے ہی سپاہیوں سے پہنچا۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے، اس کی فوج کے تاتاری دستے پہلے ہی سے غداری پر آمادہ تھے۔ وہ لڑائی شروع ہونے کے تھوڑی دیر بعد ہی تیمور کی فوج سے جا ملے۔ اناطولیہ کی ترکی ... ریاستوں کے دستے بھی جن کو بایزید نے زبردستی اپنی فوج میں بھرتی کیا تھا غدّار ثابت ہوئے اور دشمن سے مل گئے۔ البتہ سرویا کا اسٹیفنس اپنے سرّی دستوں کے ساتھ وفاداری اور جانبازی کا حق ادا کرتا رہا۔ لیکن لڑائی ختم ہونے سے پہلے ہی اسے بھی راہِ فرار اختیار کرنا پڑی۔ اب صرف بایزید دس ہزار جری سپاہیوں کے ساتھ میدانِ جنگ میں رہ گیا۔ اس مختصر فوج نے سات آٹھ لاکھ تاتاریوں کے مقابلہ میں جس قدر حیرت انگیز شجاعت

کا ثبوت دیا اس کی بہت کم مثالیں ملتی ہیں۔لیکن آخر کار گرمی اور پیاس کی شدت نے ان کے بازو کمزور کر دئیے اور تاتاری غالب آ گئے۔ بایزید کے بعض افسروں نے لڑائی کی حالت دیکھ کر چند گھنٹے پیشتر ہی اسے میدان جنگ چھوڑنے کی رائے دی تھی۔لیکن اس رائے کو حقارت سے ٹھکرا دیا گیا تھا۔ اب جبکہ وقت نکل چکا تھا بایزید نے بھاگنے کی کوشش کی۔ مگر محمود خاں چغتائی نے تعاقب کر کے اسے گرفتار کر لیا۔ بایزید کے چار لڑکوں میں سے جو جنگ میں شریک تھے۔تین دشمن کی زد سے بچ کر نکل گئے۔شہزادہ سلیمان نے یورپ کا، شہزادہ محمد نے رمالیا کا اور شہزادہ عیسیٰ نے کرمانیہ کا رُخ کیا۔چوتھے لڑکے شہزادہ مصطفےٰ کا حشر معلوم نہ سکا۔ممکن ہے مارا گیا ہو۔ بہرحال وہ ایسا غائب ہُوا کہ اس کا سراغ نہ مل سکا۔

جب بایزید قیدی کی حیثیت سے دست بستہ تیمور کے سامنے لایا گیا تو تیمور نے بڑھ کر اس کا استقبال کیا اور اس کے ہاتھ کھلوا کر عزت و احترام کے ساتھ اپنے قریب بٹھایا۔ پھر اس کی حالت پوچھی اور ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے کہا :-

"اگرچہ احوال عالم تمام تر خداوند تعالےٰ کے ارادہ و قدرت کے مطابق پیش آتے ہیں اور کسی دوسرے کو حقیقتاً کوئی اقتدار و اختیار حاصل نہیں۔تاہم انصاف اور حق یہ ہے کہ تم پر جو مصیبت آئی ہے وہ خود تمہاری لائی ہوئی ہے۔تم نے بار بار اپنی حد سے باہر قدم رکھا، اور

بالآخر مجھے انتقام پر مجبور کر دیا۔ پھر بھی چونکہ تم اس دیار میں کفّار سے جہاد کر رہے تھے، میں نے بہت کچھ تحمل کیا اور ان حالات میں جو فرض ایک خیر اندیش مسلمان کا تھا اسے بجا لایا میری خواہش تھی کہ تم فرمانبرداری کی راہ اختیار کرو تو مال و لشکر کی جس قدر تمہیں ضرورت ہو اس سے تمہاری مدد کروں تاکہ تم اطمینان و قوت کے ساتھ جہاد میں مشغول رہ سکو۔ اور دیارِ اسلام کے اطراف واکناف سے بے دینوں کے شرک کی شوکت کو فنا کر دو۔ لیکن تم نے سرکشی اور عناد اختیار کیا۔ حتیٰ کہ معاملہ یہاں تک پہنچ گیا۔ سب جانتے ہیں کہ اگر صورتِ حالات اس کے برعکس ہوتی اور یہ قوت و غلبہ جو خداوند تعالیٰ نے مجھ کو بخشا ہے تم کو حاصل ہوتا تو اس وقت مجھ پر اور میرے لشکر پر کیا گزرتی۔ لیکن اس فتح کے شکرانے میں جو خدا کے فضل و عنایت سے مجھے حاصل ہوئی ہے میں تمہارے اور تمہارے آدمیوں کے ساتھ بھلائی کے سوا کچھ نہ کروں گا۔ دل کو مطمئن رکھو۔"

بایزید نے ندامت کے ساتھ اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور آئندہ کے لئے اطاعت کا وعدہ کیا۔ تیمور نے اس کے لئے اپنے خیمہ کے قریب ایک عالیشان خیمہ نصب کرایا اور اس کی خواہش پر بروصہ سے حرم سلطانی لایا گیا۔ اور اس کے پاس بھجوا دیا۔ تیمور نے بعض عالی مراتبت امراء کو ان کی خدمت کے لئے مامور کیا۔

لیکن یہ مراحم خسروانہ اور لطف وعنایت بایزید کے زخم دل کے لئے نمک کا کام دے رہے تھے اور شاہی خیمہ اس کے لئے قید خانہ سے کم نہ تھا۔ اپنی سابقہ عظمت وسطوت کی یاد اسے کسی لمحہ چین نہیں لینے دیتی تھی۔ آخر کار بے قراری یہاں تک بڑھی کہ اس نے بھاگنے کا عزم کر لیا۔ لیکن اس کی اطلاع تیمور کو ہو گئی۔ اور اس کی نگرانی سختی کے ساتھ کی جانے لگی۔ تیمور کا لشکر جب ایک مقام سے دوسرے مقام کو کوچ کرتا تو تیمور بایزید کو بھی ساتھ رکھتا۔ لیکن تشہیر سے بچنے کے لئے بایزید ایک پالکی میں سفر کرتا تھا۔ جس پر پردہ پڑا رہتا تھا۔ اس پالکی میں لوہے کی جالی کا کام تھا۔ اس وجہ سے یہ مشہور ہو گیا کہ تیمور قیدی سلطان کو لوہے کے پنجرہ میں بند رکھتا ہے بہرحال بایزید کے قلب ودماغ پر اس ذلت ورسوائی کا اس قدر جانکاہ اثر پڑا کہ وہ اسے برداشت نہ کر سکا اور صرف آٹھ ماہ کے بعد اس کی روح قفسِ عنصری اور قفسِ فولادی دونوں سے بیک وقت آزاد ہو گئی تیمور کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو اس کی آنکھوں سے بھی آنسو نکل آئے۔ ترکوں کے اس جلیل القدر اور پر رعب سلطان کی یہ عبرت انگیز موت واقعی ایک دردناک واقعہ تھی۔ تیمور نے بایزید کی نعش کو شاہانہ احترام کے ساتھ بروصہ بھیجا، جہاں وہ سابق تاجداران عثمانی کے پہلو میں سپردِ خاک کیا گیا۔ خود تیمور بھی اس کے دو سال کے بعد مر گیا۔

جنگ انگورہ نے صرف بایزید کی زندگی کا خاتمہ نہیں کیا بلکہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سلطنت عثمانیہ بھی نیست و نابود ہو گئی۔ تیمور نے ان تمام ترکی امیروں کو جن کی ریاستیں سلطنتِ عثمانیہ میں شامل کر لی گئیں تھیں۔ پھر ان کی حکومتوں پر برقرار کر دیا۔ اور ایشیائے کوچک کا کوئی علاقہ ترکوں کے ہاتھ میں باقی نہ رہا۔ یہی نہیں یورپ کے مقبوضات میں بھی ترکوں کے خلاف بغاوت کے شرارے بھڑکنے لگے مگر قدرت کو ابھی اس حکومت سے اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے عظیم الشان کام لینے تھے۔ اس لئے یہ پھر جلدی سے سنبھل گئی اور چند سال ہی میں اپنی قوت و عظمتِ رفتہ واپس لے لی۔

اس جنگ پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی لکھتے ہیں:۔

> "بایزید کے مغلوب و اسیر ہونے سے اسلام کے روزافزوں اقتدار و ترقی کو سخت نقصان پہنچا لیکن اگر تیمور شکست پا کر اسیر یا مقتول ہو جاتا تو صرف خاندان تیموری کو نقصان پہنچتا مگر اسلام کو برّاعظم ایشیا میں کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اس لڑائی میں بایزید کی حد سے بڑھی ہوئی بہادری اور کسی قدر ناعاقبت اندیشی کو ضرور ملزم ٹھہرایا جا سکتا ہے اس کے سوا اس عثمانی سلطان پر اور کوئی الزام نہیں لگایا

جا سکتا۔ جنگ انگورہ نے تمام یورپ کو مسلمانوں کا محکوم و مغلوب ہونے سے بچا لیا۔ انگورہ کا معرکہ اگر برپا نہ ہوتا تو جاپان سے انگلستان تک تمام دنیا ایک مرتبہ پرچم اسلام کے سایہ میں آچکی ہوتی ؎

ماخذ

دولت عثمانیہ جلد اول — محمد عزیز

ترکی — لین پول

افسوسناک انجام

[محمدؒ بن قاسم نے سترہ برس کی عمر میں سندھ پر قبضہ کر کے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا، موسیٰ بن نصیر نے اندلس فتح کر کے ایک عظیم الشان کارنامہ سرانجام دیا۔ قتیبہ بن مسلم نے ترکستان کو بنی امیہ کے زیر تسلط لا کر بڑی بہادری اور شجاعت کے جوہر دکھائے۔ مگر افسوس ہے کہ ان نامور اور جلیل القدر سپہ سالاروں اور فاتحوں کا بڑا الم ناک انجام ہوا۔]

بنی امیہؔ میں خلیفہ ولید جو عبدالملک بن مردان کا بڑا بیٹا تھا، بڑا نامور ہُوا ہے۔ اس کے عہد میں مسلمانوں کو بڑی فتوحات حاصل ہوئیں۔ خوش قسمتی سے اُسے محمدؒ بن قاسم۔ قتیبہ بن مسلم، موسیٰ بن نصیر اور مسلمہ بن عبدالملک جیسے جلیل القدر فاتحین مل گئے جنہوں نے اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں سے

یورپ اور ایشیا کے میدانوں کو روند ڈالا۔

خلیفہ عبدالملک مرنے سے پہلے یہ وصیت کر گیا تھا کہ ولید کے بعد اس کا بھائی سلیمان تختِ خلافت کا وارث ہو۔ لیکن خلیفہ ولید اپنے باپ کی وصیت کے خلاف سلیمان کو معزول کر کے اپنے بیٹے عبدالعزیز کو ولی عہد بنانا چاہتا تھا۔ جب اس معاملہ میں امرائے حکومت سے اس نے رائے طلب کی تو حجاج بن یوسف، قتیبہ بن مسلم اور چند دوسروں نے اس کی تائید کی مگر اکثریت اس کے خلاف تھی۔ ابھی کچھ فیصلہ نہ ہوا تھا کہ ولید وفات پا گیا۔ سلیمان کو ان حالات کا علم تھا اور وہ قدرتاً ان امراء سے ناراض تھا۔ اور وہ بھی اس کی طرف سے مطمئن نہ تھے۔ حجاج کو اس بات کا بڑا ڈر تھا کہ ولید کا اس کی زندگی ہی میں انتقال نہ ہو جائے۔ مگر اسے اس خطرہ سے دوچار نہ ہونا پڑا۔ اور وہ خود ولید سے ایک سال قبل راہی ملک عدم ہوا مگر سلیمان نے حجاج کی بجائے اس کے نامور بھتیجے محمدؒ بن قاسم سے انتقام لیا۔

جب سلیمان تخت خلافت پر بیٹھا ہے تو محمدؒ بن قاسم فتوحات سندھ کی تکمیل میں مصروف تھا۔ اس کم سن فاتح کی عظیم الشان کامیابیوں کا چرچا ہر طرف پھیلا ہوا تھا۔ ملتان کی فتح کے بعد اس نے سلیمان اور سرت (سورتھ) کے علاقوں کو مطیع کیا تھا اور کیرج (جے پور) کے راجہ کو شکست دی تھی محمد بن قاسم بڑا صالح نوجوان تھا۔ اس نے سندھ فتح کر کے وہاں کے باشندوں سے بڑا اچھا سلوک کیا تھا۔ نظام حکومت عدل و انصاف پر مبنی تھا لیکن وہ حجاج

کا بھتیجا تھا۔ اس لئے وہ عتاب سے نہ بچ سکا۔ چنانچہ سلیمان نے اسے معزول کر کے اس کی جگہ یزید بن ابی کبشہ کو سندھ کا حاکم مقرر کیا۔ وہ سندھ پہنچا اور خلیفہ کے حکم کے مطابق محمدؒ بن قاسم کو گرفتار کر کے عراق بھیج دیا۔ یہاں کا والی صالح بن عبدالرحمٰن تھا۔ اس کے بھائی آدم کو جو خارجی تھا حجاج نے مروا ڈالا۔ چنانچہ صالح نے اس کا انتقام بے گناہ محمد بن قاسم سے لیا اسے قید کر دیا۔ بلاذری کا بیان ہے کہ اسے ٹاٹ اور کپڑے پہنا کر اور ہتھکڑی بیڑی[1] ڈال کر سندھ سے عراق بھیجا گیا تھا۔

محمد بن قاسم کا ایک لائق ستائش پہلو یہ ہے کہ جب اسے معزولی اور قید کا حکم سنایا گیا تو اس نے خاموشی سے اپنی گردن جھکا دی اور اس طرح اطاعت گذاری میں اصول کی پابندی اور سچی بہادری کا ایسا نقش چھوڑ گیا جس کی رہتی دنیا تک تعریف ہوتی رہے گی۔ جب وہ قید میں تھا تو کہا جاتا ہے اس نے کئی اشعار کہے ایک شعر بڑا پراثر ہے اور وہ یہ ہے:۔

"اگر میں دلڑنے کے لئے، استادہ ہو جاتا تو بہت سی تیاری
کرنے والے مرد عورت مارے جاتے۔"

اہل سندھ محمدؒ بن قاسم کی صلاحیتوں اور خوبیوں کے بڑے مداح اور معترف تھے۔ انہوں نے اس کے قتل کا حال سنا تو آنسو بہائے اور اظہار عقیدت کے طور پر اس کی تصویر بنا کر مندر میں رکھی۔ ایک شاعر نے اس کا ماتم اس طرح کیا کہ:۔

"بہادری نرم دلی اور سخاوت محمد بن قاسم کے لئے مقدر

---

[1] اور جیل خانہ میں انواع واقسام کی تکلیفیں دے کر اسے مار ڈالا۔

ہو چکی تھی ۔ سترہ سال کی عمر میں اس نے لشکروں کی سالاری
کی ۔ اس کی سرداری کس قدر کم عمری میں تھی ؟"

قتیبہ بن مسلم فاتح ترکستان اور حاکم خراسان حجاج بن یوسف کا ساختہ تھا ۔ سلیمان کی ولی عہدی میں وہ بھی مزاحم ہوا تھا ۔ اسی لئے ... سلیمان کی تخت نشینی کے بعد اُسے یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ کہیں نیا خلیفہ اس سے انتقام نہ لے اور خراسان کی ولایت سے معزول کر کے اس کے حریف یزید بن مہلب کو وہاں کا حاکم نہ بنا دے ۔ چنانچہ پیش بندی کے طور پر اس نے اپنا ایک قاصد سلیمان کی خدمت میں بھیجا اور اسے تین خط دئے ۔ پہلے خط میں اس نے سلیمان کو تخت نشینی کو مبارک باد دی تھی ۔ دوسرے خط میں اس نے خراسان و ترکستان میں اپنی عظیم الشان فتوحات کا تذکرہ کیا تھا ۔ اور اِن علاقوں میں اپنے رعب و دبدبہ کا حال لکھا تھا ۔ پھر یہ تحریر تھا کہ اگر اُسے خراسان سے معزول کر کے اس کے حریف یزید بن مہلب کو خراسان کا حاکم مقرر کیا گیا تو وہ خلیفہ کی بیعت توڑ دے گا ۔ تیسرے خط میں سلیمان کی بیعت توڑنے کا اعلان تھا ۔

یہ تینوں خط اس نے ایک ساتھ قاصد کر دئے اور ہدایت کی کہ پہلا خط خلیفہ سلیمان کو دینا ۔ اگر وہ اسے پڑھ کر یزید بن مہلب کی طرف بڑھا دے تو پھر دوسرا خط دینا ۔ اگر وہ اسے بھی پڑھ کر یزید بن مہلب کے حوالے کر دے تو پھر تیسرا خط دینا ۔ قتیبہ کا قاصد ان ہدایات کے ساتھ دربار خلافت میں حاضر ہوا اور پہلا خط سلیمان کی خدمت میں پیش کیا ۔ اس نے پڑھ کر یزید بن مہلب کے

حوالہ کر دیا۔ اب قاصد نے دوسرا خط پیش کیا۔ اس نے پڑھ کر وہ بھی یزید کی طرف بڑھا دیا۔ پھر قاصد نے آخری خط دیا۔ سلیمان اُسے پڑھ کر لال پیلا ہو گیا۔ تاہم اس نے صبر و ضبط سے کام لیا اور قاصد کو انعام و اکرام سے نواز کر رخصت کیا۔

قتیبہ کی اس دھمکی پر بھی سلیمان نے بظاہر اس کے ساتھ طرزِ عمل نہیں بدلا بلکہ خراسان کی حکومت کا پروانہ اسے بھیج دیا۔ لیکن قتیبہ کے دل میں اتنی بدگمانی پیدا ہو چکی تھی۔ اور اپنی طاقت اور اپنے قبائل کی فرمانبرداری پر اتنا بھروسہ تھا کہ اس نے سلیمان کے جواب کا بھی انتظار نہ کیا اور حکومت کا پروانہ ملنے سے پہلے ہی علمِ بغاوت بلند کر دیا۔ اپنے ماتحتوں کو ترغیب دی کہ وہ خلیفہ کی بیعت توڑ دیں۔ لیکن خلافِ امید کسی نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔ یہ رنگ دیکھ کر وہ سخت برہم ہُوا اور قبیلہ بنی تمیم پر بڑا ناراض ہُوا۔ اس کا اثر الٹا ہُوا۔ خود قبیلہ بنی تمیم اس کے خلاف ہو گیا۔ اور وکیع بن الاسود کو اپنا سردار بنا کر مقابلہ پر آ گیا۔ کئی ہزار اہلِ عجم نے بھی بنی تمیم کا ساتھ دیا۔ دونوں میں خونریز جنگ ہوئی۔ قتیبہ شکست کھائی۔ اور خود اس کے بھائی اور لڑکے مارے گئے، اس کا سر کاٹ کر سلیمان کے پاس بھجوا دیا گیا۔ افسوس کہ بدگمانی اور نفرت کی وجہ سے سلمان اپنے ایک نامور اور بہادر سپہ سالار سے محروم ہو گئے۔

قتیبہ کے قتل پر ایک خراسانی نے اپنے ایک عرب دوست سے کہا:۔

"تم لوگوں نے قتیبہ کی یہ عزت کی کہ اسے قتل کر دیا۔ اگر یہ شخص ہمارے ملک میں ہوتا تو ہم اس کو ایک تابوت میں محفوظ

کر لیتے اور اس کے واسطہ سے سیراب ہوتے اور اس کی برکت
سے لڑائیوں میں فتح یاب ہوتے۔"

حقیقت یہ ہے کہ قتیبہ نے ترکستان و خراسان میں عظیم کارنامے سرانجام دئے تھے۔ اس کی موت پر کئی شاعروں نے مرثیے کہے۔ ایک شاعر کے مرثیہ کا یہ شعر بہت مشہور ہے:-

"میری سواری جب مدینہ میں تھی تو ابن قتیبہ کے قتل کی یہ دردناک
خبر ملی جس سے ہر شخص کی ہمت ٹوٹ گئی۔"

قتیبہ کی موت سے نہ صرف وسطِ ایشیا کی فتوحات تقریباً تین چوتھائی صدی تک پیچھے جا پڑیں بلکہ اس نے جو علاقے فتح کئے تھے ان بھی انحطاط کے آثار پیدا ہو گئے۔ اس کے جانشینوں میں وہ دور اندیشی نہیں تھی جو اس کے سپہ سالار کے حصہ میں آئی تھی۔ بہرحال قتیبہ ترکستان میں ایسی مضبوط بنیادیں رکھ گیا تھا، جس پر آگے چل کر ایک اسلامی سلطنت قائم ہوئی۔ افسوس ہے کہ اس کا کام ختم ہونے سے پہلے ہی موت کے ظالم ہاتھوں نے اسے چھین لیا۔

اس سے بھی زیادہ افسوسناک واقعہ موسیٰ بن نصیر فاتح اندلس کا ہے۔ اندلس سے مسلمانوں کو بے حد و حساب مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ سونے، چاندی اور جواہرات کا کوئی شمار ہی نہیں تھا۔ ان کے علاوہ بہت سی عجیب و غریب اشیاء تھیں۔ موسیٰ جس وقت اندلس سے روانہ ہوا تو اس کے ساتھ تیس ہزار لونڈی غلام، گا تھ بادشاہوں کے چوبیس تاج، سونے چاندی کے برتن،

جواہرات کے ذخیرے اور بیش قیمت چیزیں تھیں۔ جب موسیٰ افریقہ پہنچا اور خشکی کی راہ سے مصر ہو کر دمشق کی جانب روانہ ہُوا تو اس وقت کا منظر دیکھنے کے قابل تھا۔ وہ جس راستے سے گذرتا تھا لوگ عقیدت و تعظیم سے اپنی آنکھیں بچھاتے اور موسیٰ بھی انہیں انعام و اکرام سے سرفراز کرتا جاتا تھا۔

اس طرف یہ ہو رہا تھا دوسری طرف دمشق میں کچھ اور ہی صورت حالات پیدا ہو رہی تھی۔ خلیفہ ولید بن عبدالملک بیمار تھا۔ اس کے بچنے کی کوئی امید نہ تھی اور سلیمان تختِ خلافت پر بیٹھنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ سلیمان نے ایک قاصد موسےٰ کے پاس بھیجا کہ وہ راستہ آہستہ آہستہ طے کرے تاکہ وہ سلیمان کے خلیفہ ہونے کے بعد دمشق میں داخل ہو۔ موسےٰ عجیب کشمکش میں مبتلا ہو گیا۔ تاہم اس نے مناسب اور صائب اسی امر کو سمجھا کہ اپنا سفر جاری رکھے۔ اور وہ ولید کی زندگی ہی میں دمشق پہنچ گیا۔ ولید نے بڑی شان و شوکت سے اس کا استقبال کیا۔ موسیٰ نے وہ تمام مال غنیمت جس کے نظارہ سے سلیمان اپنے دربار کی رونق بڑھانا چاہتا تھا۔ ولید کے سامنے پیش کر دیا۔ مال غنیمت کو دیکھ کر حاضرین حیرت میں ڈوب گئے۔ اور ان کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ خلیفہ نے موسیٰ کی بے انتہا قدر افزائی کی۔ خلعت کے علاوہ پچاس ہزار اشرفیاں انعام میں دیں۔ اس کے سب لڑکوں اور عزیزوں کے وظیفے مقرر کر دیئے۔

اس واقعہ کے چالیس روز بعد ولید کا انتقال ہو گیا اور اس کے ساتھ

موسیٰ کا عروج اور عزت بھی ختم ہوگئی۔ نئے خلیفہ سلیمان کو موسیٰ سے سخت عناد پیدا ہوگیا تھا۔اس نے اس سے بڑی طرح انتقام لیا۔اس کا سارا مال و اسباب ضبط کر لیا۔ بر سرِ عام اس کی سخت تحقیر کی۔ دھوپ میں کھڑا رکھا پھر یزید بن مہلب کی سفارش پر کئی لاکھ کا تاوان عائد کر کے چھوڑ دیا۔تاوان وہ ادا نہ کر سکا اور چند روز بعد تباہ حالی میں اس کا انتقال ہوا۔یہ تھا اس جلیل القدر سپہ سالار اور فاتح کا حشر جس نے افریقہ سے فرانس کی سرحد تک کے علاقہ کو اسلامی سلطنت میں شامل کیا تھا اور اس سلسلہ میں، ایسے کارنامے سر انجام دئے تھے۔جو اسلام کی تاریخ میں زریں حروف سے لکھے گئے ہیں۔

خلیفہ سلیمان کی حکومت کا دامن صرف ان نامور سپہ سالاروں کے شفق گوں خون سے ہی رنگین نہیں ہے، بلکہ عبدالعزیز بن موسےٰ کے قتل میں بھی اس کا ہاتھ ہے۔

موسےٰ کا لڑکا عبدالعزیز والئ اندلس باپ کی طرح بہادر تھا۔اس کے باپ کے ساتھ سلیمان نے جو ناپسندیدہ حرکت کی تھی اس کے بعد بیٹے سے وفاداری کی توقع رکھنا اصولِ سیاست کے خلاف تھا۔اس لئے عبدالعزیز کو خود اس کی فوج کے ہاتھوں ایک لغزش پر قتل کرا دیا۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ عبدالعزیز نے راڈرک کی بیوہ سے شادی کی تھی جو اس پر بہت حاوی ہوگئی تھی۔ اس نے عبدالعزیز سے پوچھا کہ اس کے سابق شوہر کی طرح لوگ اس کو سجدہ کیوں نہیں کرتے۔عبدالعزیز نے جواب دیا یہ ہمارے مذہب میں حرام ہے مگر چونکہ بیوی سے بہت زیادہ مرعوب تھا، اس لئے اس کے دل میں اپنا وقار

قائم رکھنے کے لئے اپنی نشست گاہ میں ایک چھوٹا سا دروازہ بنوایا جس میں سے کوئی شخص بغیر جھکے ہوئے داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ اور بیوی سے کہہ دیا کہ لوگ اس کی تعظیم کے لئے جھکتے ہیں۔ فوج کو اس کی خبر ہو گئی۔ اور ممکن تھا کہ وضاحت سے یہ معاملہ سدھر جاتا۔ مگر سلیمان کے اشارہ سے عبدالعزیز کو قتل کر دیا گیا۔

افسوس ہے کہ ان سپہ سالاروں کا جنہوں نے ملت کی شاندار خدمات سرانجام دی تھیں یہ حشر ہوا۔

ماخذ

تاریخ اسلام جلد دوم	شاہ معین الدین
مسلمان سپہ سالار اور فاتح جلد اول دوم	سید نصیر احمد
مسلمانوں کا عروج و زوال	سعید احمد

خانہ کعبہ پر سنگ باری
اور شہادت حضرت عبداللہ بن زبیرؓ

[خانہ کعبہ پر سنگ باری؟ اس کو پڑھ کر آپ کے دل کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ ایسا ہوا۔ اور وہ بھی کسی کافر یا مشرک کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ خود مسلمانوں نے خانۂ کعبہ پر پتھر برسائے۔]

کربلا کے حادثۂ فاجعہ کی خبر جب بلادِ عرب میں پہنچی تو جس مسلمان نے اس کو سنا بنی امیہ کی اس شقاوت پر لرز اٹھا اور اس کی آنکھ پُرنم ہو گئی تھی۔ حضرت عبداللہؓ بن زبیر کو بھی سخت صدمہ پہنچا۔ اس وقت ان کا قیام مکّہ میں تھا۔ انہوں نے تمام اہلِ مکّہ کو مسجدِ حرام میں بلایا اور ایک رقّت انگیز تقریر کی۔ تقریر ختم کر کے وہ بے اختیار رو پڑے اور مجمع بھی فرطِ غم سے نڈھال ہو گیا اور پھر یہ کہہ کر حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہؓ بن زبیر ہی خلافت کے مستحق ہیں ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور تھوڑی ہی مدّت میں

سارا حجاز یزید کی اطاعت سے منحرف ہو گیا۔ یزید کو جب ان حالات کا علم ہُوا تو اس کے غیض و غضب اور برہمی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ پہلے تو اس نے مدینہ پر حملہ کر کے وہاں سخت ظلم و ستم کئے اور مکّہ کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ جاری ہی تھا کہ یزید نے وفات پائی۔ چنانچہ محاصرہ اُٹھا لیا گیا اور حضرت عبداللہؓ بن زبیر حجاز کے علاوہ عراق کے بھی حاکم ہو گئے۔

چند سال کے بعد جب عبدالملک بن مروان خلیفہ بنا تو حضرت عبداللہؓ بن زبیر اس کے بڑے حریف تھے۔ چنانچہ اس نے فیصلہ کر لیا کہ ساری دنیائے اسلام کا ایک ہی خلیفہ ہو گا اور وہ عبدالملک ہے۔ چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لئے سب سے پہلے اس نے اپنی حالت مستحکم کی۔ پھر ایک خونریز جنگ کے بعد عراق پر قبضہ کیا اور اس کے بعد حجاز کی طرف توجہ کی۔ اس نے سردارانِ شام کو مکّہ معظّمہ پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ کرنا چاہا۔ مگر سب نے کعبہ کو رزم گاہ بنانے سے انکار کیا۔ ان کا خیال تھا کہ کعبہ کو میدانِ جنگ بنانے کا مطلب یہ ہے کہ عذابِ الٰہی کو دعوت دی جائے۔ بالآخر ایک دن اس نے بنی امیہ اور اپنے سرداروں اور طرف داروں کو جمع کیا اور منبر پر چڑھ کر پوچھا کہ ابن زبیرؓ پر حملہ کرنے کے لئے کون تیار ہے؟ حجاج بن یوسف نے اُٹھ کر کہا :-

"امیر المومنین یہ کام میرے سپرد کر دیجئے"

عبدالملک نے تین مرتبہ یہ سوال دہرایا اور تینوں مرتبہ حجاج ہی نے اس کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا۔

اس پر عبدالملک نے اس کو تین ہزار سپاہی دئے اور وہ اس فوج کو لے کر

جمادی الاول ۷۳ھ میں کوفہ سے روانہ ہوا اور مدینہ منورہ کو چھوڑتا ہوا.... عبدالملک کی ہدایت کے مطابق طائف میں پہنچ کر قیام کیا۔ یہاں سے وہ چھوٹے چھوٹے دستے مکہ کی طرف روانہ کرتا جو عبداللہؓ بن زبیر کے سپاہیوں سے لڑ بھڑ کر واپس آجاتے۔ کئی مہینے اسی حالت میں گذر گئے۔ حجاج نے عبدالملک کو لکھا کہ اس کی امداد کے لئے کمک بھیجی جائے، نیز اس کو اجازت دیجئے کہ آگے بڑھ کر مکہ کا محاصرہ کرلے۔

عبدالملک نے حجاج کی درخواست کو منظور کرتے ہوئے پانچ ہزار سپاہی اس کی امداد کے لئے روانہ کر دئے اور اپنے ایک دوسرے سپہ سالار طارق بن عمر کو جو اس وقت مدینہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھا لکھا کہ مدینہ سے فارغ ہوکر فوراً مکہ کی طرف جاؤ اور حجاج کی مدد کرو۔ حجاج نے بماہ رمضان المبارک مکہ کا محاصرہ کرلیا اور کوہِ ابو قبیس پر منجنیق لگا کر سنگ باری شروع کردی اہل مکہ کے لئے رمضان کا یہ مہینہ اس سنگ باری کے عالم میں بڑی مصیبت کا مہینہ تھا۔ محاصرہ کی شدت سے تنگ آکر لوگ مکہ سے نکل نکل کر بھاگنا شروع ہوئے رمضان و شوال کے بعد ذیقعدہ کا مہینہ بھی آگیا اور اہل مکہ کی مصیبت اور محاصرہ کی شدت میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔ حضرت عبداللہؓ بن زبیر نے بڑی کوشش کی کہ حملہ آوروں کو پسپا کردیں۔ مگر ان کی کوئی تدبیر کامیاب نہ ہوسکی۔ ان کے ساتھیوں کی تعداد روزانہ کم ہو رہی تھی۔

علاوہ ازیں سامانِ خورد و نوش کی نایابی و گرانی نے محصورین کے حوصلوں کو بہت پست کر دیا تھا۔ ماہ ذیقعدہ ۷۲ھ میں طارق بن عمر نے

مدینہ پر قبضہ کر لیا اور اس کے بعد ایک فوج جو پانچ ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھی لے کر مکہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس زبردست فوج کے پہنچنے پر حجاج کی طاقت بہت زیادہ بڑھ گئی۔ دوسری طرف اہل مکہ کے حوصلے اور پست ہو گئے، اسی حالت میں ماہ ذالحجہ شروع ہو گیا اور دور دور سے لوگ فریضۂ حج ادا کرنے کے لئے آنے شروع ہو گئے۔ حضرت عبداللہؓ بن زبیر نے حجاج کو حج کی اجازت دے دی تھی۔ مگر نہ اس نے طواف کیا نہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کی۔ حضرت عبداللہؓ بن زبیر نے میدانِ عرفات میں جانا چاہا تو حجاج نے روک دیا۔ چنانچہ انہوں نے مکہ ہی میں قربانی کی۔ میدان عرفات میں کوئی امام نہ تھا۔ غرض اس سال لوگ ارکان حج ادا نہ کر سکے۔ ایامِ حج میں بھی حجاج نے سنگ باری بند نہ کی۔ لہٰذا خانہ کعبہ کا طواف خطرہ سے خالی نہ تھا۔ حاجیوں کی آمد سے مکہ میں قحط اور زیادہ بڑھ گیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی اس سال حج کے لئے تشریف لائے تھے، یہ حالت دیکھ کر حجاج کے پاس پیغام بھیجا۔

"بندۂ خدا اتنا تو خیال کرو کہ لوگ دور دور سے حج کے لئے ہوئے ہیں۔ ان کو طواف کرنے اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے کا تو موقعہ مل جائے۔ اس سنگ باری کو حج کے ختم ہونے تک بند کر دے۔"

اس پیغام کا یہ اثر ہوا کہ حجاج نے سنگ باری بند کرا دی۔ جب حج ختم ہو گیا تو حجاج کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ باہر سے آئے ہوئے تمام

لوگ فوراً اپنے اپنے شہروں کو واپس چلے جائیں۔ کیونکہ مکہ پر سنگ باری شروع ہونے والی ہے۔ اس تنبیہہ کو سنتے ہی نہ صرف باہر سے آئے ہوئے لوگ رخصت ہوگئے، بلکہ مکہ کے بہت سے رہنے والے بھی اپنی جانیں بچا کر نکل گئے۔

حجاج نے پھر سنگ باری شروع کر دی۔ ایک بڑا پتھر خانہ کعبہ کی چھت پر آکر پڑا اور چھت ٹوٹ کر گری۔ اس کے ساتھ ہی آسمان سے ایک سخت کڑک کی آواز آئی۔ بجلی چمکی اور زمین و آسمان پر تاریکی چھا گئی۔ حجاج کے سپاہی سخت خوفزدہ ہوئے اور پتھر پھینکنے بند کر دیے۔ حجاج نے لوگوں کو تسلی تشفی دی اور کہا کہ یہ بجلی کی کڑک میری امداد کے لئے آئی ہے اور یہ میری فتح و کامرانی کی نشانی ہے۔ تم لوگ مطلق نہ ڈرو۔ ان تشفی آمیز کلمات کے باوجود اس کی فوج میں خوف و ہراس چھایا ہوا تھا۔ اگلے روز پھر بجلی گری اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن زبیر کی فوج کے دو سپاہی اس کے صدمہ سے ہلاک ہو گئے۔ اس سے حجاج کو بہت خوشی ہوئی اور اس کے سپاہیوں کو بھی کچھ اطمینان ہوا۔ حجاج نے خود اپنے ہاتھ سے منجنیق میں پتھر رکھ کر پھینکنے شروع کئے۔ اس کے بعد اس کے سپاہیوں میں جو بے دلی اور خوف و ہراس باقی رہ گیا تھا وہ بالکل جاتا رہا اور زور شور سے سنگ باری شروع ہو گئی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن زبیر خانہ کعبہ میں نماز پڑھتے تھے اور بڑے بڑے پتھر ان کے اردگرد آکر گرتے تھے۔ لیکن ان کی توجہ الی اللہ اور خضوع و خشوع میں ذرا بھی فرق نہ پڑتا تھا۔

یہ محاصرہ شدت سے برابر جاری رہا۔ مکہ معظمہ میں باہر سے کسی قسم کی امداد

اور سامانِ رسد آنے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ حضرت عبداللہؓ بن زبیر کے پاس غلّہ اور کھجوروں کا ایک ذخیرہ موجود تھا۔ اس ذخیرہ میں سے صرف اس قدر لوگوں میں تقسیم کرتے تھے جس سے زندگی باقی رہے۔ ایک موقعہ پر انہیں اپنا گھوڑا ذبح کر کے اس کا گوشت لوگوں میں تقسیم کرنا پڑا۔ مدّعا ان کا یہ تھا کہ جتنی زیادہ دیر تک مقابلہ ہو سکے کیا جائے حجاج بھی محاصرہ کی طوالت سے گھبرا گیا تھا۔ اب اس نے ایک اور تدبیر کی۔ اس نے عبداللہؓ بن زبیر کے ہمراہیوں کے پاس امان نامے لکھ لکھ کر بھیجنے شروع کئے۔ یہ تدبیر خاصی کارگر ہوئی اور بہت سے لوگ حضرت عبداللہؓ بن زبیر کا ساتھ چھوڑ چھوڑ کر حجاج کے پاس آنے لگے۔ بہت تھوڑے آدمی ان کے ساتھ رہ گئے۔ حتّٰی کہ ان کے دو لڑکے حمزہ اور حبیب بھی باپ کا ساتھ چھوڑ کر حجاج کی پناہ میں آ گئے۔ تیسرا لڑکا باپ کے ساتھ رہا اور آخر وقت تک دادِ مردانگی دیتا ہوا معرکہ کارزار میں کام آیا۔ جب اس طرح ہزاروں لوگ حجاج کے پاس آ گئے اور معدودے چند اشخاص حضرت عبداللہؓ کے پاس رہ گئے تو حجاج نے اپنے سپاہیوں کو جمع کر کے اس طرح تقریر کی:۔

"تم لوگ عبداللہؓ بن زبیر کی طاقت کا اندازہ کر چکے ہو۔ ان کے ہمراہی اس قدر تھوڑے ہیں کہ اگر تم میں سے ہر شخص ان پر ایک ایک مٹھی کنکریاں پھینکے تو وہ سب مر جائیں پھر لطف یہ ہے کہ وہ بھوکے پیاسے ہیں۔ اے شامی دکو! تی دلاور دلیر ہو۔ عبداللہ بن زبیر چند ساعت کا مہمان ہے۔"

اس تقریر سے پیشتر حجاج حضرت عبداللہؓ بن زبیر کے پاس ایک خط بھیج چکا تھا جس میں لکھا تھا:۔

"اب آپ کے پاس کوئی طاقت نہیں رہی۔ آپ ہر طرح مجبور ہو چکے ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ آپ ہماری امان میں آجائیں اور امیر المومنین عبدالملک کی بیعت اختیار کر لیں۔ آپ کے ساتھ انتہائی عزت و تکریم کا برتاؤ کیا جائے گا۔ اور آپ کی ہر ایک خواہش پوری کر دی جائے گی۔ مجھ کو امیر المومنین نے بھی حکم دیا ہے کہ میں جہاں تک ممکن ہو۔ صلح و آشتی کی طرف آپ کو متوجہ کروں اور آپ کے قتل میں حتی الامکان عجلت سے کام نہ لوں۔"

حضرت عبداللہؓ بن زبیر نے اس خط کو پڑھا اور پھر اسے لے کر اپنی والدہ ماجدہ حضرت اسماءؓ بنت ابوبکرؓ کی خدمت میں گئے اور عرض کی:۔

"میرے ہمراہ اب کوئی آدمی نہیں رہا۔ برائے نام چند باقی ہیں جو میرا ساتھ دینے پر آمادہ ہیں۔ لوگوں نے میرے ساتھ اس طرح دھوکہ کیا جس طرح کہ حسینؓ ابن علی کے ساتھ کیا تھا۔ لیکن ان کے بیٹے جب تک زندہ رہے باپ کے سامنے تلوار لے کر دشمنوں سے لڑتے رہے میرے بیٹے بھی اس فاسق کی امان میں چلے گئے۔ اب حجاج کہتا ہے کہ تم بھی امان میں آجاؤ اور جو کچھ مانگو ہم دینے کو تیار ہیں۔ پس میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ آپ کیا حکم دیتی ہیں؟

حضرت اسماءؓ نے جواب دیا:-

"بیٹے تم اپنے معاملہ کو مجھ سے بہتر سمجھتے ہو۔ اگر تم حق پر ہو اور حق کی طرف لوگوں کو بلاتے ہو تو اس کام میں برابر مصروف رہو۔ تمہارے ساتھی بھی راہِ حق میں شہید ہوئے اور تم بھی اس راہ پر گامزن ہو کر شہادت حاصل کرو۔ اگر تم نے دنیا حاصل کرنے کا قصد کیا تھا تو تم بہت ہی نالائق آدمی ہو۔ تم خود بھی ہلاکت میں پڑے اور اپنے ہمراہیوں کو بھی ہلاکت میں ڈالا۔ میری رائے یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو بنی امیہ کے حوالہ نہ کرو۔ موت اپنے وقت پر ضرور آجائے گی۔ تم کو مردوں کی طرح جینا اور مردوں کی طرح مرنا چاہیئے۔ تمہارا یہ کہنا کہ میں حق پر تھا اور لوگوں نے مجھ کو دھوکہ دے کر کمزور کر دیا، ایک ایسی شکایت ہے جو نیک آدمیوں کی زبان پر نہیں آیا کرتی۔"

حضرت عبداللہؓ بن زبیر نے یہ تمام باتیں سنیں اور بولے:-

"مجھ کو اس بات کا خوف ہے کہ وہ لوگ قتل کرنے کے بعد مجھ کو مثلہ کریں گے اور صلیب پر لٹکائیں گے۔"

حضرت اسماءؓ نے کہا:-

"بیٹا جب بکری ذبح کر ڈالی گئی تو پھر اسے اس کی کیا پروا ہو سکتی ہے کہ اس کی کھال کھینچی جاتی ہے۔ تم جو کچھ کر رہے ہو۔ بصیرت کے ساتھ کئے جاؤ اور اللہ سے امداد طلب کرتے

رہو۔[۱]"

حضرت عبداللہؓ بن زبیر نے والدہ کے سر کا بوسہ لیا اور عرض کیا :-

"میری بھی یہی رائے تھی جو آپ نے ظاہر فرمائی۔ مجھ کو دنیا کی خواہش اور حکومت کی تمنا بالکل نہ تھی۔ میں نے اس کام کو صرف اس لئے اختیار کیا تھا کہ خدائے تعالےٰ کے احکام کی پابندی نہیں کی جاتی اور ممنوعات سے لوگ پرہیز نہیں کرتے، جب تک میرے دم میں دم ہے حق کے لئے لڑتا رہوں گا، میں نے آپ سے مشورہ لینا ضروری سمجھا اور آپ کے ارشادات نے میری بصیرت کو بہت کچھ بڑھا دیا۔ اور اماں جان میں آج ضرور مارا جاؤں گا۔ آپ زیادہ مغموم نہ ہوجیئے گا۔ آپ مجھے خدائے تعالیٰ کے سپرد کر دیجئے۔ میں نے کبھی کسی ناجائز کام کا قصد نہیں کیا۔ اور نہ کسی سے بدعہدی کی، نہ کسی پر ظلم کیا، نہ ظالم کا معاون بنا، حتی الامکان خدائے تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کیا۔ الٰہی میں نے یہ باتیں فخر کی راہ سے نہیں کیں، بلکہ صرف اس لئے کہ میری ماں کو تسکین خاطر حاصل ہو۔"

حضرت اسماءؓ بولیں :-

"مجھے امید ہے کہ خدائے تعالیٰ تم کو اس کا اجر عطا فرمائے گا۔ تم اللہ کا نام لے کر دشمنوں پر حملہ کر دو۔"

اس کے بعد کہا "اب آگے آؤ۔ تم کو آخری بار پیار کر لوں" نابینا اور ضعیف العمر

---

[۱] کاش ہمارے سکول اور کالج ایسی سائنس پیدا کرتے

ماں نے جب اپنے پیارے بیٹے کو گلے سے لگایا تو اتفاقاً ان کا ہاتھ ان کی زرہ پر پڑ گیا۔ پوچھا:۔

"بیٹا یہ تمہارے جسم پر کیا ہے؟"

کہا:۔

اماں جان زرہ ہے، تاکہ دشمن کے حملوں سے بچاؤ ہو۔"

فرمایا:۔

"بیٹا اللہ کی راہ میں شہید ہونے کو نکلے ہو۔ اور ان عارضی چیزوں کا سہارا لیتے ہو۔ اس کو اتار دو اور معمولی کپڑے پہنے ہوئے دشمنوں سے لڑو۔"

حضرت ابن زبیرؓ نے وہیں زرہ اتار کر پھینک دی۔ قمیض کے دامن اٹھا کر کمر سے باندھے، دونوں آستینیں چڑھائیں۔ گھر سے باہر نکل آئے اور اپنے چند ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہا:۔

"اے آلِ زبیر تم تلوار کی جھنکار سے خوفزدہ نہ ہونا، کیونکہ زخم میں دوا لگانے کی تکلیف زیادہ ہوتی ہے۔ بمقابلہ اس تکلیف کے جو زخم کے پیدا ہونے سے ہوتی ہے۔ تم لوگ اپنی تلواریں کھول لو۔ جس طرح اپنے چہروں کو بچاتے ہو اسی طرح ان کو بھی خونِ ناحق سے بچاؤ۔ اپنی آنکھیں نیچی کر لو کہ تلواروں کی چمک سے چکا چوند نہ ہو جاؤ۔ ہر شخص اپنے مقابل پر حملہ آور ہو۔ تم مجھے ڈھونڈتے نہ پھرنا اور اگر میری تلاش

بی ہو تو میں سب سے آگے دشمنوں سے لڑتا ہوا ملوں گا۔"

یہ کہہ کر شامیوں پر ایک سخت حملہ کیا۔ صفوں کو چیرتے، لوگوں کو مارتے اور گراتے ہوئے شامیوں کی پہلی صفوں تک پہنچ گئے اور پھر اسی طرح لڑتے بھڑتے واپس آ گئے۔ حضرت عبداللہؓ بن زبیر کی عمر اگرچہ اس وقت بہتر برس کی تھی۔ لیکن وہ اس شجاعت اور دلیری سے لڑے جس کی مثال نہیں ملتی۔ اس دوران میں ایک دشمن نے تیر مارا جو پیشانی پر لگا خون بہنے لگا۔ مگر وہ اسی حالت میں لڑتے رہے۔ آپ نے اور آپ کے چند ہمراہیوں نے صبح سے بعد ظہر تک شامیوں کے قتل کرنے میں وہ حیرت انگیز شجاعت دکھائی کہ دشمن بھی عش عش کرنے لگے۔ آخر ایک ایک کر کے تمام ہمراہی کام آئے۔ علم بردار بھی مارا گیا۔ حضرت عبداللہؓ بن زبیر پر دشمنوں نے چاروں طرف سے پتھروں اور تیروں کی بارش شروع کر دی۔ نیزے اور تلواریں اس سے پیشتر اپنی کاٹ دکھا چکے تھے۔ بالآخر یہ بہادر شجاع اور متقی انسان شہید ہوا۔ یہ سہ شنبہ کا دن تھا۔ جمادی الثانی کا مہینہ اور ۷۳ھ ہجری۔

ابن زبیرؓ کی شہادت کی خبر جب حجاج کو ملی تو وہ بے حد خوش ہوا، محاصرہ کے ایام میں اس نے عہد کیا تھا کہ جب تک ابن زبیرؓ قتل نہ ہو جائیں گے نہ وہ خوشبو لگائے گا اور نہ بیویوں کے پاس جائے گا۔ جب اس مسرت کے نشہ کے بعد وہ ہوش میں آیا تو بے اختیار سجدۂ شکر میں گر پڑا۔ اور پھر حکم دیا کہ حضرت ابن زبیرؓ کی لاش راہ پر لٹکا دی جائے۔ ایک روایت ہے کہ

سر عبدالملک کے پاس بھیج دیا گیا تھا۔

حجاج اور اس کے ساتھیوں نے ان کی شہادت پر بڑی مسرت اور شیخی کا اظہار کیا۔ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ نے جب یہ سنا تو فرمایا:۔

"خدا کی قسم ابن زبیرؓ کی ولادت پر خوش ہونے والے اس کی موت پر خوش ہونے والوں سے ہزارہا درجہ بہتر ہیں"

ماخذ

تاریخ اسلام جلد اول — شاہ معین الدین ندوی

عبداللہ بن زبیرؓ — طالب ہاشمی

تاریخ الامت جلد اول — مولانا اسلم جیراج پوری

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا دورِ ابتلاء

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا شمار امت کی مقبول ترین اور مسلّمہ ہستیوں میں ہوتا ہے، اہلسنت کے ایک مکتب فکر ہی کے آپ امام نہیں بلکہ بعض وجوہ سے سب نے آپ ہی کو اپنا امام تسلیم کیا ہے۔ تیسری صدی ہجری کے اوائل میں فتنۂ خلقِ قرآن نے سر اٹھایا اور تین عظیم الشان فرمانرواؤں یعنی مامون، معتصم اور واثق باللہ کی شمشیرِ استبداد اور قہر حکومت نے اس فتنہ کا ساتھ دیا یہ وہ وقت تھا کہ قیام وسنت و دین خالص کا قیامت تک کیلئے فیصلہ ہونے والا تھا۔ علمائے حق کے لئے صرف دو ہی راستے کھلے تھے۔ یا اصحاب بدعت کے آگے سر جھکا دیں یا پھر ہر طرح کا ظلم و تشدد برداشت کریں۔ فتنۂ خلقِ قرآن

کی مخالفت ایک جہاد تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت امام احمدؒ بن حنبل کو اس جہاد میں کامیاب فرمایا اور اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ آخر کار یہ فتنہ ختم ہو کر رہا۔]

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے دورِ ابتلا کا اصل سبب مامون کی وہ دعوت تھی جو اس نے اس عہد کے فقہا اور محدثین کو اپنے قول خلق قرآن کی تائید و حمایت کے سلسلہ میں دی تھی۔ یعنی قرآن کریم مخلوق اور حادث ہے اس مسلک کو اعتزال کہا جاتا ہے۔ جن لوگوں نے اس مسلک اعتزال کو قبول کر لیا تھا انہیں عزّت و اقتدار اور بڑے بڑے مناصب ملے اور مقرب بارگاہ بنائے گئے، امام احمدؒ نے اس مسلک کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اس جرم کی پاداش میں وہ نشانۂ جور و اذیت بنائے گئے۔ اس سفاکی اور جبر و تشدد کا آغاز خلیفہ مامون کے عہد میں ہُوا۔ پھر معتصم باللہ اور واثق باللہ کے عہد میں مامون کی وصیت کے مطابق درجہ اتمام کو پہنچا۔

اس موقعہ پر یہ ضروری ہے کہ اس مسلک کے بارے میں مختصر طور پر چند باتیں بیان کر دی جائیں۔ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے یہ کہا کہ "قرآن مخلوق ہے" وہ جعد بن درہم تھا جو عہد بنی امیّہ میں گذرا ہے، اسے عید الضحیٰ کے دن کوفہ میں خالد بن عبداللہ الفہری نے اس جرم میں قتل کر ڈالا۔ وہ خالد کے سامنے اس حالت میں لایا گیا کہ اس کی مشکیں کسی ہوئی تھیں۔ نماز کا وقت تھا۔ خالد نے بعد از ادائے نماز ایک خطبہ دیا اور خطبہ کے آخر میں کہا۔

"لوگو! جاؤ اپنی اپنی قربانی کے جانور ذبح کرو۔ میں نے ارادہ کیا ہے کہ جعد بن درہم کو ذبح کروں۔ اس لئے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے خدا سے باتیں نہیں کیں، نہ خدا نے حضرت ابراہیم کو اپنا دوست بنایا۔ خدا اس بات سے بہت بلند ہے جو یہ کم بخت کہتا ہے"

پھر خالدؓ منبر سے اترا اور جعد بن درہم کو قتل کر دیا۔

جہم بن صفوان بھی اسی طرح کی باتیں کیا کرتا تھا۔ وہ اللہ تعالےٰ کی صفتِ کلام کی نفی کیا کرتا تھا۔ یعنی اس کا خیال تھا کہ خدا بات چیت نہیں سکتا۔ اس لئے کہ وہ صفات و حوادث سے منزہ ہے۔ اسی وجہ سے جہم کہا کرتا کہ قرآن قدیم نہیں مخلوق ہے۔

پھر معتزلہ کا دور شروع ہوا۔ انہوں نے پہلے تو صفات باری تعالیٰ کا انکار کیا اور پھر یہاں تک مبالغہ کیا کہ اس کے منکر ہو گئے کہ خدا کلام کر سکتا ہے۔ معتزلہ کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ تعالےٰ نے جس طرح اور تمام چیزیں پیدا کی ہیں اسی طرح اس نے صفت کلام بھی پیدا کی ہے۔ اس بنا پر ان کا یہ دعوےٰ تھا کہ قرآن مخلوق ہے۔

عہد عباسیہ میں معتزلہ نے خلق قرآن کے مسئلہ میں بہت زیادہ نکتہ آفرینیاں پیدا کیں۔ اس زمانہ کے کچھ فقہا بھی ان کے ہم نوا ہو گئے چنانچہ مصر کے علماء میں بشر بن غیاث المریسی کا بھی یہی مسلک تھا۔ بشر کے استاد قاضی ابو یوسفؒ تھے جو حضرت امام ابو حنیفہ رح کے شاگرد رشید تھے۔ انہوں نے

بشر کو اس مسلک سے باز رکھنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ نہ مانا۔ اس پر قاضی ابو یوسفؒ نے اسے اپنی مجلس میں آنے سے منع کر دیا۔

معتزلہ کی تحریک ہارون الرشید کے عہدِ خلافت سے ہی شروع ہو گئی تھی۔ معتزلہ نے دعوت و تبلیغ کا کام شروع کر دیا تھا اور وہ لوگوں کو اپنے مسلک کی طرف دعوت دینے لگے تھے۔ مگر ہارون الرشید کو اس مسلک سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اور وہ عقائد کے معاملہ میں سخت بھی نہ تھا۔ اس لئے معتزلہ کو زیادہ کامیابی نہ ہوئی۔

لیکن جب مامون الرشید کا عہدِ خلافت شروع ہوا تو صورتِ حالات بالکل بدل گئی۔ معتزلہ اس پر چھا گئے۔ اس نے بھی ان کو اپنا مقرب اور مصاحب بنا لیا اور انہیں بلند مناصب پر فائز کیا۔ یہاں تک کہ جب ابو ہشام الفوطی جو مسلک اعتزال کا پیرو تھا، مامون کے دربار میں آیا تو مامون نے نیم قد ہو کر اس کی تعظیم کی، حالانکہ یہ عزت و احترام وہ کسی کے لئے روا نہیں رکھتا تھا۔

خلیفہ مامون معتزلہ پر اس درجہ مائل کیوں تھا؟ اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ ادیان و مقالات میں وہ ابو ہذیل علاف کا شاگرد تھا اور ابو ہذیل وہ شخص ہے جس کا شمار معتزلہ کے سربراہوں میں ہے۔

خلیفہ مامون نے جب افکار و عقائد کی چھان پھٹک کے لئے مجالس مناظرہ منعقد کیں تو یہ معتزلہ سب سے آگے تھے اور بڑھ چڑھ حصہ لیتے تھے۔ یہ لوگ عقلی طور پر مسائل کی بحث میں خصوصیت و امتیاز رکھتے تھے۔ یہی وجہ

تھی کہ مامون ان سے بہت متاثر ہو گیا۔ اپنی مصاحبت کے لئے اس نے انہی لوگوں میں سے چند لوگ انتخاب کئے بلکہ کچھ کو تو اس نے مناصب وزارت پر بھی فائز کر دیا۔ اس جماعت کے ایک اور فرد احمد بن ابی داؤد پر اس کے لطف و عنایات کی تو انتہا ہو گئی۔ اس کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ مامون نے اپنے بھائی معتصم کو وصیت کی کہ امورِ سلطنت میں ابی داؤد کو مشورہ میں شریک رکھا کرے چنانچہ وہ اپنے وصیت نامہ میں لکھتا ہے :-

"ابو عبد اللہ بن ابی داؤد کو ہر معاملہ میں شریک کار رکھنا"

جب معتزلہ نے دیکھا کہ ان کی قدر و منزلت میں بہت اضافہ ہو گیا ہے تو انہوں نے سوچا کہ اب خلقِ قرآن کے عقیدہ کا مامون سے اعلان کرا دینا چاہیئے، تاکہ ان کے مسلک کو فروغ حاصل ہو اور ان کی اور زیادہ عزت عوام میں ہو جائے۔ یہ بات مامون کے دل میں بیٹھ گئی۔ چنانچہ اسنے سنہ ۲۱۲ھ میں اس کا اعلان کر دیا اور اس امر کو پیش نظر رکھا کہ اس کی مجلس مناظرہ میں کون چھا جاتا ہے اور کون اپنے دلائل و براہین پیش کرتا ہے۔ اس نے لوگوں کو فکر و عقیدہ کے بارے میں آزاد چھوڑ دیا۔ وہ ان پر کوئی نظریہ مسلط نہیں کرنا چاہتا تھا نہ کوئی عقیدہ تھوپنا چاہتا تھا۔

لیکن سنہ ۲۱۸ھ میں اس کا رویہ یکسر بدل گیا۔ اس نے طے کر لیا کہ وہ لوگوں کو خلقِ قرآن کا عقیدہ قبول کرنے پر مجبور کرے گا چاہے کتنے ہی جبر و تشدد اور ظلم و ستم سے کام کیوں نہ لینا پڑے۔ چنانچہ اس نے اپنے اس فیصلہ کو جبراً نافذ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس کی ابتدا اس فرمان سے ہوئی جو اس نے رقہ سے اپنے نائب اسحاق بن ابراہیم کو دجو

بغداد میں تھا، بھیجا کہ وہ فقہا اور محدثین پر مسلسل خوب سختی کرے۔ یہاں تک کہ وہ یہ بات مان لیں کہ قرآن مخلوق ہے۔

اس کام کی ابتداء ان لوگوں سے ہوئی جو مناصب حکومت پر فائز تھے یا حکام سے کسی نوعیت اور صورت میں وابستہ تھے اگرچہ وہ عدالت قضا میں گواہ کی حیثیت سے کیوں نہ آئے ہوں۔ اس سلسلہ میں مامون نے پہلا فرمان جو بغداد میں اپنے نائب کو بھیجا اس کے آخر میں لکھتا ہے :-

> "تمہارے ہاں جو قاضی ہیں ان کو بلاؤ اور امیرالمومنین کا یہ فرمان انہیں سنا دو۔ ان کے عقائد کا امتحان لو اور دریافت کرو آیا وہ قرآن کو حادث یا مخلوق سمجھتے ہیں یا نہیں؟ اور ان لوگوں کو یہ بتا دو کہ امیرالمومنین کی رائے سے اتفاق کریں تو ان کے لئے ہدایت و نجات کا راستہ کھلا ہوا ہے۔ پھر تم ان کو حکم دینا کہ وہ علیٰ روس الاشہاد اپنے عقیدہ کو بیان کریں۔ جو اس بات کو تسلیم نہ کرے کہ قرآن مخلوق اور حادث ہے اس کی شہادت ترک کر دی جائے۔ اس کے علاوہ تم اپنے علاقہ کے تمام قاضیوں سے اس مسئلہ کے بارے میں پوچھ گچھ کرو۔ انہیں ہمارا یہ حکم پہنچا دو اور ان کے احوال کی نگرانی رکھو کہ جب تک وہ اپنے دین و ایمان میں پکے اور سچے ثابت نہ ہوں احکام الٰہی کو نافذ نہ کرنے پائیں۔"

اس فرمان سے پتہ چلتا ہے کہ جو لوگ اس عقیدہ سے اختلاف رکھتے تھے

ان کے لئے کوئی سزا تجویز نہیں کی گئی تھی۔ سوائے اس کے کہ مناصب حکومت سے محروم کر دئے جائیں یا اگر وہ گواہ کی حیثیت سے عدالت میں آئیں تو ان کی شہادت نہ قبول کی جائے۔

جب اسحٰق بن ابراہیم کو یہ فرمان ملا تو اس نے نہ صرف قاضیوں، بلکہ محدثین اور ہر اس شخص کو اپنی بارگاہ میں طلب کیا جو مسند ارشاد و ہدایت اور تعلیم و فتویٰ سے کچھ تعلق رکھتا تھا۔ ان سب کا اس نے امتحان لیا اور انہوں نے اس مسئلہ کے متعلق جو جو جوابات دیئے وہ مامون کے پاس بھیج دیئے۔

مامون ان جوابات سے مطمئن نہیں ہوا۔ ان جوابات کو کمزور قرار دیا اور جواب دینے والوں پر بڑی جرح و تنقید کی اور ان کے بارے میں سخت الفاظ استعمال کئے۔ پھر انہی امور پر مشتمل اس نے ایک مکتوب اسحٰق کو بھیجا۔ جس میں حکم تھا کہ جو شخص اس مسلک کو قبول نہ کرے اسے پابہ زنجیر بھیج دو۔ اس نے لکھا:-

"جو شخص اس کا اقرار نہ کرے کہ قرآن مخلوق ہے تو
ایسے تمام لوگوں کو جکڑ بند کر کے امیر المومنین کے لشکر میں بھیج
دو۔ پھر اگر وہ اپنے مسلک سے رجوع نہ کریں اور تائب نہ
ہوں تو سب کی گردن تلوار سے اڑا دی جائے گی۔"

اب مامون کے طرزِ عمل میں یکسر تبدیلی پیدا ہو گئی تھی۔ پہلے معاملہ صرف جاہ و منصب سے محرومی تک محدود تھا۔ پھر بڑھتے بڑھتے قتل و

وہلاکت تک پہنچ گیا۔

اسحٰق بن ابراہیمؒ نے مامون کے حکم کی پوری طرح اور فوری تعمیل کی۔ اس نے محدثین، فقہا اور فقیہوں کو اپنی بارگاہ میں طلب کیا۔ ان میں امام احمد بن حنبلؒ بھی تھے۔

جب سب جمع ہو گئے تو اسحاق نے ان کو دھمکی دی کہ اگر انہوں نے یہ مسلک قبول نہ کیا کہ قرآن مخلوق اور حادث ہے تو ان کو نہایت سخت سزائیں دی جائیں گی۔ چنانچہ اس دھمکی سے مرعوب و متاثر ہو کر تقریباً سب نے وہ بات مان لی جس کا مامون نے مطالبہ کیا تھا اور انہوں نے اس مسلک کی پیروی کا اعلان کر دیا۔ لیکن چار آدمی ایسے تھے جو اس دھمکی سے بالکل مرعوب نہ ہوئے۔ انہوں نے باقی کو فانی پر ترجیح دی۔ اپنے اعتقاد پر مضبوطی سے قائم رہے اور جرأت و دلیری سے اپنے موقف کو پیش کیا۔ یہ چار بزرگ حسب ذیل تھے:

۱۔ احمد بن حنبلؒ

۲۔ محمد بن نوحؒ

۳۔ القواریریؒ

۴۔ سجادہؒ

اسحٰق کے حکم سے ان بزرگوں کو رسیوں میں جکڑ لیا گیا اور بیڑیوں سے کس دیا گیا۔ انہوں نے رات اس حالت میں گذاری کہ مشکیں کسی ہوئی تھیں۔ جب صبح ہوئی تو شدائد اور سختیوں کی تاب نہ لا کر سجادہ نے اسحٰق کی بات

مان لی۔ چنانچہ ان کی بیڑیاں کاٹ دی گئیں۔ باقی تینوں اصحاب بدستور مبتلائے آفات و مصائب رہے۔

دوسرے روز پھر یہی سوال دہرایا گیا۔ اس دفعہ قواریری کی ہمت نے جواب دے دیا۔ اور انہوں نے مسلکِ خلق قرآن قبول کر لیا۔ چنانچہ انہیں رہا کر دیا گیا۔ اب دو اصحاب باقی رہ گئے تھے۔ ان دونوں کو پابہ زنجیر طرسوس روانہ کر دیا گیا تاکہ مامون کی خدمت میں پیش کئے جائیں۔ محمد بن نوح راستہ ہی میں شہید ہو گئے۔

جن لوگوں نے مامون کے مطالبات کو مان لیا تھا ان کو بھی اسحٰق نے کہا کہ وہ بھی طرسوس جا کر مامون کی خدمت میں حاضر رہیں۔

یہ لوگ راستہ ہی میں تھے کہ مامون کی وفات کی خبر پہنچی۔ لیکن مرنے سے پہلے اس نے اپنے بھائی اور جانشین کو یہ وصیت کر دی تھی کہ قرآن کے بارے میں وہ اپنے مسلک پر قائم رہے اور لوگوں کو پوری قوت و شوکت کے ساتھ ادھر آنے کی دعوت دے۔ مامون کے دل میں یہ بات راسخ ہو گئی تھی کہ یہی مسلک واجب الاتباع ہے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کا .. جانشین اس معاملہ میں ذرا بھی کمزوری دکھائے۔

اس نصیحت کا یہ نتیجہ ہوا کہ مامون کی وفات کے بعد دورِ ابتلاء اور سختیوں اور سزاؤں کا زمانہ ختم نہیں ہوا بلکہ اس میں اور اضافہ ہو گیا۔ زاہدوں، عالموں فقیہوں اور محدثین میں سے جو لوگ اب تک اس مسلک کو قبول کرنے میں توقف کر رہے تھے ان پر بلاؤں کا نزول شروع ہو گیا۔ اس گروہ کے سربراہ

امام احمد بن حنبلؒ تھے جن پر عتاب نازل ہو چکا تھا۔

غرض مامون کا انتقال ہو گیا اور امام احمدؒ اس کی طرف کشاں کشاں آہنی زنجیروں میں جکڑے اور ہتھکڑیاں پہنے جا رہے تھے۔ اس ناگہانی صورتِ حال کے پیشِ نظر آپ نے پھر بغداد کے جیل خانہ بھیج دیا گیا۔ جہاں وہ برابر صبر و تحمل سے جبر و تشدد برداشت کرتے رہے۔

بالآخر معتصم کے حکم سے وہ دربارِ خلافت میں حاضر کئے گئے۔ معتصم علم سے بالکل کورا اور تلوار کا دھنی تھا۔ لہٰذا اس نے خلق قرآن کا معاملہ تمام تر احمد بن ابی داؤد کے سپرد کر دیا تھا۔ اور احمد بن ابی داود وہی شخص تھا جس نے خلقِ قرآن کا عقیدہ لوگوں پر جبر و تشدد کے ذریعہ تھوپا۔ انہیں ابتلائے آزمائش میں ڈالا۔ ان پر مصیبتوں کے پہاڑ توڑے اور انہیں قید و بند میں ڈالا اور پابہ زنجیر کیا۔

چنانچہ جب حضرت احمد بن حنبلؒ کو دربارِ خلافت میں لایا گیا تو انہیں دھمکی سے راضی کرنے کی کوشش کی گئی کہ وہ یہ عقیدہ قبول کر لیں۔ لیکن امام صاحبؒ ذرا بھی متاثر نہیں ہوئے۔ جب دیکھا کہ وہ کسی طرح راضی نہیں ہوتے تو اس دھمکی نے عملی جامہ پہن لیا۔ چنانچہ ان پر کوڑے پڑنے لگے۔ ایک کے بعد ایک۔ یہاں تک کہ کوڑوں کی ضرب کی تاب نہ لا کر وہ بے ہوش ہو جاتے، پھر انہیں تلوار سے کوچا جاتا تاکہ ہوش میں آ جائیں۔ مگر وہ بے حس و حرکت پڑے رہتے۔ قید و بند کے ساتھ ساتھ کوڑوں سے مار کا یہ سلسلہ کم و بیش ڈیڑھ سال تک جاری رہا۔ جب ان لوگوں کو یقین ہو گیا کہ وہ یہ عقیدہ تسلیم نہیں

کریں گے تو ان کے دل میں کچھ نرمی پیدا ہوئی چنانچہ انہیں رہا کر دیا گیا۔ وہ اپنے گھر اس حالت میں پہنچائے گئے کہ وہ زخموں سے لہولہان تھے اور متواتر مار پیٹ اور جیل کی سختیوں کی وجہ سے ان کا بدن چور چور تھا۔

گھر آکر انہوں نے اپنے زخموں کا علاج کرانا شروع کیا۔ جب تک وہ پوری طرح مندمل نہیں ہو گئے۔ وہ درس و تحدیث سے کنارہ کش رہے۔ پھر جب ان کی صحت کچھ بحال ہو گئی تو وہ مسجد تک جانے لگے۔ اگرچہ زخموں کی تکلیف اب تک موجود تھی۔ پھر بھی وہ مسجد میں مسند درس پر بیٹھ گئے۔ یہاں تک کہ خلیفہ معتصم کا انتقال ہو گیا۔

معتصم کے بعد واثق تخت خلافت پر متمکن ہوا اور اب استبداد و آزمائش کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ مگر یہ عہد کوڑوں کی مار اور جبر و تشدّد سے خالی تھا۔ کیونکہ واثق جانتا تھا کہ اگر سختی کی گئی تو امام صاحب کی وقعت و عزت عوام کی نظروں میں پہلے سے بھی زیادہ بڑھ جائے گی۔ اور جہاں ان کے افکار و خیالات لوگوں کے دلوں میں اور راسخ ہو جائیں گے۔ وہاں مسلک خلقِ قرآن کے قبول کرانے میں اور زیادہ ناکامی ہو گی۔ پھر اس ظلم و تشدد کی وجہ سے عوام بہت برہم تھے۔ خلیفہ کا خیال تھا کہ سختی کرنے سے عوام کی برہمی میں اور اضافہ ہو جائے گا وہ ان کی برہمی سے حتی الامکان بچنا چاہتا تھا۔ لہٰذا اس نے اور احمد بن ابی داؤد نے معتصم کے بعد جسمانی ایذا رسانی اور قید و بند کا اعادہ نہیں کیا۔ لیکن واثق کے حکم سے امامؒ صاحب کو لوگوں سے ملنے جلنے سے منع کر دیا اس نے جو حکم صادر کیا وہ یہ تھا:۔

"تمہارے پاس کسی کو آنے اور ملنے جلنے کی اجازت نہیں ہے اور نہ تم اس شہر میں اقامت اختیار کرو، جہاں ہمارا قیام ہو۔"

واثق کے انتقال کے بعد امام احمدؒ کے ابتلاو آزمائش اور ایذا رسانی کا دور ختم ہو گیا۔ یہ دور تقریبًا پانچ سال تک رہا۔ اس کے بعد ان کے احترام میں بے انتہا اضافہ ہوگیا اور وہ کہیں زیادہ عزت و حکومت کے ساتھ درس و تحدیث کی مسند پر رونق افروز ہوئے۔ ان کی پیرانہ سالی، تقویٰ، قناعت، زہد اور آفات و مصائب کی برداشت نے ان کا مرتبہ بہت بلند کر دیا تھا۔

فتنۂ خلقِ قرآن کی مخالفت ایک جہاد تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت امام احمد بن حنبل کو اس جہاد میں کامیاب فرما دیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ فتنہ ختم ہو کے رہا بقول مولانا آزاد "عزیمت و دعوت و کمال مرتبہ وراثت نبوت و قیام حق و ہدایت فی الارض والامت کا وہ وجود ایک مخصوص مقام تھا۔ صرف ایک ہی قائم بامر اللہ کے حصہ میں آیا یعنی سید المجددین و امام المصلحین حضرت امام احمد بن حنبل۔

ماخذ

جناب امام احمدؒ بن حنبل	محمد ابو زہرہ
تاریخ الامت جلد سوم	مولانا اسلم جیراجپوری

طرابلس میں اٹلی کے ہولناک مظالم

[۱۹۱۲ء میں فرانس نے اٹلی سے ایک خفیہ معاہدہ کیا کہ اگر اٹلی فرانس کو مراکش میں آزاد چھوڑ دے تو اٹلی کو طرابلس (موجودلیبیا) پر قبضہ کرنے کی کھلی اجازت ہو گی۔ بعد میں برطانیہ بھی اس میں شامل ہو گیا۔ کیونکہ اسے بھی مصر میں اپنے لئے اسی قسم کی آزادی حاصل کرنا تھی۔ اس خفیہ معاہدہ سے مصر، مراکش اور طرابلس غیر قوموں کے محکوم ہو گئے۔]

بیسویں صدی کے آغاز میں طرابلس سلطنت عثمانیہ کا ایک صوبہ اور براہِ راست باب عالی کے زیر حکومت تھا۔ اس کی آبادی تمام تر مسلمانوں پر مشتمل تھی۔ شہر طرابلس اور دوسرے ساحلی مقامات پر ترک اور مور آباد تھے اور اندرونی علاقہ میں نیم آزاد عرب قبائل رہتے تھے۔ یہاں کے باشندوں نے

حکومت کی تبدیلی کی کبھی خواہش نہیں کی۔ اور اٹلی کو ان کی طرف سے کبھی شکایت کا موقع نہ ملا۔ مگر طرابلس پر برابر اس کی حریصانہ نظریں تھیں۔ سنہ ۱۹۱۰ء کے اختتام تک حکومت اٹلی برابر یہ اعلان کرتی آئی تھی کہ وہ سلطنت عثمانیہ سے جنگ کی خواہشمند نہیں ہے۔ جب یہ افواہ پھیلی کہ وہ طرابلس پر حملہ کرنے والی ہے تو اس کے وزیر خارجہ نے اس کی پر زور تردید کی اور کہا :-

"ہم سلطنت عثمانیہ کی بقاؤ سلامتی کے آرزومند ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ طرابلس ہمیشہ ترکوں کے قبضہ میں رہے۔"

لیکن اس اعلان پر دس ماہ بھی نہیں گذرے تھے کہ حکومت اٹلی نے دفعتاً ترکی حکومت کو الٹی میٹم دے دیا۔ حالانکہ دونوں حکومتوں کے مابین کسی قسم کی رنجش اور کشیدگی پیدا نہیں ہوئی تھی اور پھر بغیر کسی جواب کا انتظار کئے پچاس ہزار فوج طرابلس پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کردی۔ اٹلی کے جنگی جہازوں نے پریوسیا کے شہر پر گولہ باری شروع کردی جس پر ترکوں کا قبضہ تھا اور بحر ایجین کے کئی جزیروں پر قبضہ کرلیا۔ ترکی جہاز ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سلطان عبدالحمید نے بحری طاقت کی طرف ذرہ بھی توجہ نہ دی تھی۔ طرابلس کے فوجی دستہ کی تعداد صرف بیس ہزار تھی اور چونکہ سمندر پر اطالوی جہازوں کا قبضہ تھا، اس لئے جنگ شروع ہو جانے کے بعد بحری راستہ سے فوجی مدد بھی نہیں پہنچائی جاسکتی تھی۔ مصر کے راستہ سے مدد نہیں بھیجی جاسکتی تھی اسلئے کہ مصر سلطنت عثمانیہ کے زیر سیادت تھا مگر اس وقت اس پر برطانیہ پوری طرح مسلط ہوچکا اور اس لئے اس راستے سے

ترک فوجوں کو طرابلس جانے سے روک دیا۔ مگر ان تمام مشکلات کے باوجود انور پاشا بھیس بدل کر کسی نہ کسی طرح طرابلس پہنچ گئے اور انہوں نے اپنی حیرت انگیز قابلیت سے پورے ملک کو فوجی کیمپ بنا دیا۔ ترکوں نے ایسی بہادری سے حملہ آوروں کا مقابلہ کیا کہ وہ سراسیمہ ہو گئے، اور انہوں نے بہادری کا جواب درندگی سے دینا شروع کیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ زیادہ زور بحری جنگ پر دینے لگے۔ انہیں امید تھی کہ بالآخر ترک صلح پر راضی ہو جائیں گے مگر ترکوں نے صلح کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ وہ اس وقت تک جنگ جاری رکھنے کا فیصلہ کر چکے تھے جب تک کہ حملہ آور ملک کو پورے طور پر خالی نہ کر دیں۔ مگر بدقسمتی دیکھئے کہ اسی دوران میں البانیہ میں بغاوت برپا ہو گئی اور پھر بلقان میں جنگ کے بادل اٹھتے ہوئے دکھائی دینے لگے۔ ان حالات کے پیش نظر مجبوراً ترکوں نے اٹلی سے صلح کی گفتگو شروع کر دی اور ۱۸ اکتوبر ۱۹۱۲ء کو صلح نامہ لوزان پر دونوں حکومتوں کے دستخط ہو گئے۔ اس معاہدہ کی رو سے طرابلس پر اٹلی کا قبضہ تسلیم کر لیا گیا۔

معاہدہ تو ہو گیا مگر طرابلس کے آزادی پسندوں نے اس کو تسلیم نہ کیا اور اپنی جدوجہد جاری رکھی۔ اہل طرابلس کی اس جدوجہد میں سنوسی تحریک کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ۱۹۲۷ء میں اٹلی نے جدید اسلحہ کی پوری قوت کیساتھ اس تحریک کو کچلنے کی مہم شروع کی۔ سنوسی مجاہدوں اور جانبازوں کے پاس اتنی قوت نہیں تھی۔ مگر ان کے دلوں میں اعتقاد اور خدا پر ایمان تھا۔ ۱۹۳۱ء میں سنوسیوں کو کامل شکست ہوئی اور ان کے قائدوں کو پھانسی

کے تختوں پر لٹکا دیا گیا۔

۱۹۱۲ء سے ۱۹۳۱ء تک عرصہ میں طرابلس کے جذبۂ آزادی کو کچلنے کے لئے اٹلی نے جو ہولناک اور لرزہ خیز مظالم کئے ان کے تصور سے بھی انسان کانپ اٹھتا ہے۔

ایک انگریزی اخبار کا نامہ نگار فرانسس مارکو اس زمانہ میں اطالوی فوج کے ساتھ تھا۔ اس نے طرابلس کے حالات کی جو رپورٹ اپنے اخبار کو بھیجی۔ اس میں لکھا:۔

"لوگوں کو قتل کرنے، عورتوں اور بچوں کو سکراتِ موت کی حالت میں بے یار و مددگار چھوڑ دینے اور اسی قسم کے دوسرے مظالم کی مثال آج سے پہلے میں نے کبھی نہیں دیکھی اور اس لحاظ سے اطالوی فوج کو فوج نہیں کہا جا سکتا۔ وہ ڈاکوؤں اور قزاقوں کا ایک گروہ ہیں۔"

اس طرح ایک جرمن نامہ نگار نے تحریر کیا:۔

"دنیا میں آج تک کسی فاتح نے اپنے دشمن کے ساتھ اس قسم کی بے ایمانی اور بے رحمی نہیں کی ہوگی۔ جیسی اٹلی نے طرابلس میں کی۔ اٹلی کے فوجی جرنیلوں نے ہر فوجی قانون کی کھلم کھلا توہین کی۔ تمام قیدیوں کو بے دریغ موت کے گھاٹ اتارا۔ حد یہ ہے کہ اس قتلِ عام میں ان قیدیوں کو بھی نہ بخشا گیا۔ جو میدانِ جنگ میں گرفتار نہ ہوئے تھے بلکہ جنہیں گھروں

میں گھس کر محض شبہہ میں پکڑا گیا تھا اور جن کے خلاف جنگ میں شامل ہونے کا کوئی ثبوت نہیں تھا۔"

آسٹریا کا ایک جنگی نامہ نگار تو یہ حالات دیکھ کر اس قدر برافروختہ ہوا کہ اس نے کہا:-

"حقیقت یہ ہے کہ اٹلی نے نہ صرف یورپ کے جنگی اخلاق کی عزت افریقہ میں گنوا دی بلکہ پوری دنیائے اسلام کی نظر میں عیسائیت کو بھی ذلیل و خوار کر ڈالا۔"

اس نامہ نگار کی رپورٹ بہت طویل ہے۔ ایک جگہ وہ رقمطراز ہے:-

"اٹلی کی فوجوں نے شہروں میں گھس کر غیر فوجی آبادی کے قتل عام کا جو فرمان نافذ کیا اس میں چودہ سال سے زیادہ عمر کا ہر کس و ناکس موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ۲۶ اکتوبر ۱۹۱۱ء کو اٹلی کے لشکر نے ردم بینک کے عقبی شہر کو بالکل جلا ڈالا اور جو لوگ جان بچا کر بھاگے۔ انہیں گولیوں کا نشانہ بنایا گیا۔ دو ڈاکٹروں نے دھوپ میں پڑے ہوئے کچھ زخمیوں کو ہسپتال لے جانا چاہا تو انہیں ایسا کرنے سے روک دیا گیا۔ صلیب احمر کے ایک پادری نے کہا "مرنے بھی دو ان کم بختوں کو" چنانچہ دوسرے دن جب میں اس مقام سے گزرا تو وہ غریب دھوپ میں سسک سسک کر دم توڑ چکے تھے

اور ان کی لاشیں اکیلی پڑی ہوئی اپنی مظلومیت کا نوحہ کر رہی تھیں۔ جب میں نے اور میرے ایک جرمن ساتھی نے یہ منظر دیکھا تو ہم اپنے آنسوؤں کو ضبط نہ کر سکے اور بے اختیار رو پڑے۔"

آگے چل کر لکھتا ہے:۔

"ہم نے دیکھا کہ اطالوی فوجی شہر میں بندوقیں لئے گھومتے پھرتے ہیں اور جو عرب سامنے آجاتا ہے، اسے بے دریغ گولی سے اڑا دیتے ہیں۔"

اسی نامہ نگار کی نظر سے طرابلس کی محکوم و مظلوم آبادی پر ظلم و ستم کا ایک اور منظر دیکھئے:۔

"ایک روز ہم نے دیکھا کہ کچھ فوجی پانچ عربوں کو گھسیٹتے لئے جا رہے ہیں۔ ان عربوں کے دونوں ہاتھ لوہے کی زنجیروں سے پیٹھ کے پیچھے بندھے ہوئے تھے۔ اتنے میں کچھ چیخوں کی آواز آئی اور قریب کی بیرکوں سے چند اطالوی سپاہی نکلے۔ پھر ان سپاہیوں نے مل کر زنجیروں میں بندھے ہوئے ان مجبور و مقہور عربوں کو گولی سے اڑا دیا۔ اس واقعہ کو دیکھنے کے بعد ہمیں یقین ہو گیا کہ یہاں نہ کوئی قانون ہے نہ عدالت، نہ کورٹ مارشل۔ کچھ بھی نہیں۔ صرف ایک قتل گاہ ہے۔ جو ہر طرف بنی ہوئی ہے۔"

اپنا رعب اور دہشت بٹھانے کے لئے اٹلی نے کئی روز تک طرابلس میں قتل عام کیا۔ اس کی تفصیل دیتے ہوئے لندن کے مشہور اخبار ڈیلی کرانیکل نے لکھا :-

"تین دن تک اطالوی فوجوں نے شہروں میں قتل عام جاری رکھا۔ جو عرب نظر پڑتا گولی سے اڑا دیا جاتا چنانچہ صرف ان تین دنوں کے اندر چار ہزار عرب ہلاک کئے گئے"

اس قتل عام کے بعد شہروں کی حالت جیسی کچھ ہو گئی اس کی ایک جھلک پیرس کے نامہ نگار خصوصی کی زبان سے سنیئے :-

"ہم نے جو کچھ دیکھا اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہر طرف لوٹ مار اور قتل و غارت گری کا بازار گرم تھا۔ جگہ جگہ بچوں بوڑھوں اور عورتوں کی لاشیں پڑی سڑ رہی تھیں۔ پھر چونکہ جا بجا آگ بھی لگا دی گئی تھی۔ اس لئے ان لاشوں سے اس طرح دھواں اٹھتا تھا جیسے کسی زمانہ میں قربان گاہوں کے آگے سے اٹھا کرتا تھا۔ میں نے سو کی تعداد میں ایسی لاشیں دیکھیں جن کے حلئے بگڑ چکے تھے۔ اس سے بھی زیادہ ایک دردناک منظر میں نے یہ دیکھا کہ ایک خاندان کے بچے بوڑھے اپنے گھر میں خاموش بیٹھے کھانا کھا رہے تھے کہ یکایک کچھ اطالوی فوجی قریب سے گزرے اور فوراً ہی ان غریبوں کو گولیوں کی خوراک بنا دیا"

ان چشم دید شہادتوں کو بیان کرنے کے بعد نامہ نگار مذکور لکھتا ہے :۔

"حقیقت یہ ہے کہ ان اطالویوں نے طرابلس میں وہ
مظالم ڈھائے کہ معلوم ہوتا تھا کہ ان کی عقل اور انسانیت
بالکل جواب دے گئی ہے"

اندازہ لگایا گیا ہے کہ طرابلس پر قبضہ کرنے کے بعد اطالویوں نے بیس ہزار کے قریب اشخاص کو تختۂ دار پر لٹکایا، جن میں سے اکثر کے خلاف مقدمہ چلایا ہی نہیں گیا اور جن کے خلاف چلایا گیا وہ محض مذاق تھا۔ایک رسمی کارروائی تھی۔بہت سے واقعات ایسے ہوئے کہ عورتوں کے کپڑے اتار کر ان کو کئی کئی دن تک بالکل عریاں رکھا گیا اور پھر پھانسی پر چڑھا دیا گیا ظلم وستم کی نئی نئی شکلیں ایجاد کی گئیں۔مثلاً ساٹھ ستر آدمیوں کو بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ بے رحمی کے ساتھ ایک زنجیر میں باندھ دیا گیا اور پھر ان کو اسی حالت میں کسی ویرانے میں چھوڑ دیا گیا تاکہ بھوک پیاس کی تکلیف سے بلک بلک کر جان دے دیں۔بعض دفعہ یہ کیا گیا کہ کئی کئی آدمیوں کو ایک ساتھ باندھ کر پہاڑ کی ڈھلان سے سمندر کیطرف لڑھکا دیا گیا۔

طرابلس کے شمال کے ساحلی علاقہ (سائرے نیکا) کی سرزمین بڑی زرخیز اور سرسبز وشاداب ہے۔اس لئے حکومت اٹلی نے فیصلہ کیا کہ اسے صرف اطالویوں کے لئے مخصوص کر دیا جائے۔صرف وہی یہاں رہیں۔اس مقصد کے لئے مقامی آبادی کو زمینوں، مکانوں اور جائدادوں سے بے دخل کرنے کی سکیم بنائی گئی۔اس میں کسی قانونی جواز کی ضرورت ہی نہ سمجھی گئی کھلے طور

پر عربوں کی زمینوں پر قبضہ کر لیا گیا۔ اور انہیں جنوب کے ریگستانی علاقہ کی طرف دھکیل دیا گیا۔ اسی ہزار مردوں، عورتوں اور بچوں کو صحرائے سرت میں رہنے پر مجبور کر دیا۔ وہاں تک جانے کے لئے کوئی سہولت فراہم نہ کی گئی۔ کسی سواری کا انتظام نہ تھا۔ ان لوگوں کے سروں اور کاندھوں پر مال واسباب لاد دیا گیا اور پیدل صحرائے سرت کی طرف بھیج دیا گیا۔ برقہ سے سرت کا سفر دس دن میں طے ہوتا ہے۔ پھر یہاں پہنچنے کے بعد نہ پینے کو پانی نہ کھانے کو خوراک نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر لوگ بھوک پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر گئے۔ ان کے ساتھ جو تھوڑے بہت مویشی تھے ان کا بھی یہی حشر ہوا۔

ان لرزہ خیز اور ہولناک سختیوں کے باوجود اہل طرابلس سنوسی قائدین کی زیر سرکردگی چار سال اطالوی حکومت کا مقابلہ کرتے رہے۔ مگر مشکل یہ تھی کہ اٹلی کے پاس بہت اسلحہ تھا اور یورپ کے کئی ممالک روپے اور گولے بارود سے اس کی مدد کر رہے تھے، لیکن اہل طرابلس کے پاس نہ تو اسلحہ تھا اور نہ روپیہ۔ ممکن ہے کوئی ملک انہیں اسلحہ دینے پر تیار ہو جاتا۔ مگر طرابلس کے باشندوں میں اسے خریدنے کی کہاں استطاعت تھی، اس کشمکش کا نتیجہ ظاہر تھا۔ اطالوی فوج کو ہر محاذ پر کامیابی ہوتی گئی۔ آخر کار ۱۳ر جنوری ۱۹۳۱ء کو اس کا سنوسی تحریک کے مرکزی مقام کفرہ پر قبضہ ہو گیا۔

اس قبضہ کے بعد اس فوج نے جو کچھ کیا اسے امیر شکیب ارسلان نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"تین دن تک قتل عام جاری رہا۔ جو سامنے آگیا گولی کا نشانہ بنا دیا گیا۔ وہ بوڑھے لوگ بھی چن چن کر قتل کیے گئے جو حجروں اور خانقاہوں سے کبھی باہر نکلے ہی نہ تھے۔ کسی کے خلاف مقدمہ چلانے کا سوال ہی نہ تھا۔ ہر شخص کی جان صرف سپاہیوں کے رحم و کرم پر موقوف تھی۔ یہ اطالوی سپاہی کھیتوں اور باغوں میں گھس جاتے تھے اور فصلوں کو تباہ کر دیتے تھے۔ بچے بوڑھے اور عورتیں ان کے ظلم سے امان نہ پا سکتے تھے۔ شیخ مختار طرابلس کے ایک بہت بڑے بزرگ تھے جن کی عمر ۹۳ سال کے قریب تھی اور بہت باعزت علماء میں شمار ہوتے تھے۔ لیکن ان کے بوڑھاپے اور کمزوری کے باوجود ان کے ساتھ یہ سلوک کیا گیا کہ ایک اونٹ پر بٹھا کر ریلوں سے باندھ دیا گیا اور پھر اس اونٹ کو جنگل کی طرف بھگا دیا جس سے آپ راستہ میں جان بحق ہو گئے۔

یہ فوجی جہاں جاتے تھے عورتوں پر پل پڑتے تھے، ان کی عصمت ریزی کرتے تھے اور جو عورتیں مزاحمت کرتی تھیں انہیں موت کے گھاٹ اتار دیتے تھے۔ چنانچہ دو سو کے قریب شریف عورتیں اطالوی فوج کی ان وحشیانہ حرکتوں کو سن کر جنگلوں میں بھاگ گئیں۔ جب ان فوجیوں کو یہ معلوم ہوا۔ تو یہ ظالم ان کے پیچھے دوڑے اور انہیں پکڑ کر لے آئے۔ پھر انہیں فوجیوں کے

کیمپوں میں وحشیانہ درندگی کے ساتھ عصمت و عفت کی بربادی کے لئے چھوڑ دیا گیا۔ یہ طرابلس کے ان شریف گھرانوں کی عورتیں تھیں جن کو کبھی آفتاب نے بھی بے پردہ نہیں دیکھا تھا، پھر ستم بالائے ستم یہ کہ اطالوی اخباروں نے ان وحشیانہ افعال کا ذکر بڑے فخر سے کیا اور موٹے موٹے حروف میں سرخیاں قائم کیں "فوج نے طرابلس کے لیڈروں کی دو سو عورتوں کو گرفتار کر لیا"

آگے چل کر امیر شکیب ارسلان لکھتے ہیں:۔

"کفرہ میں جو سنوسیہ خانقاہ تھی اور جہاں مذہبی عبادت کے فرائض سرانجام دئے جاتے تھے وہاں بھی فوجی گھس گئے اور بے عزتی کرنے کے لئے شراب کے قرابے بھر بھر کر فرش پر لنڈھائے گئے۔ دینی کتابوں کو شراب میں تر کیا گیا قرآن مجید کی جلدوں کو اٹھا اٹھا کر زمین پر پھینکا گیا اور پاؤں سے مسلا گیا۔ پھر سولہ بڑے بڑے علماء کو چن کر ہوائی جہازوں میں بٹھایا گیا اور بلندی پر پہنچ کر انہیں ایک ایک کو نیچے پھینکا گیا۔ جب یہ علماء نیچے گرتے تھے تو اطالوی سپاہی خوشی سے تالیاں بجاتے تھے اور چیخ چیخ کر عربوں سے کہتے تھے کہ "دیکھو تمہارا جنگی نبی محمدؐ (نعوذ باللہ) آ رہا ہے جس نے تم کو جہاد کا حکم دیا ہے اور تمہیں ہمارے چنگل سے نجات دلانا

چاہتا ہے"

غرض اطالوی فوجوں نے طرابلس میں وہ لرزہ خیز مظالم ڈھائے وہ ہولناک جبر و تشدد کیا کہ اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ سوال یہ ہے کہ ان مظالم کو دنیا خاموشی سے کیوں دیکھتی رہی۔ یورپ کے ارباب اقتدار اصل حالات سے بے خبر نہ تھے۔ پھر اس کی اجازت کیوں دی گئی۔ اس کا جواب کچھ زیادہ مشکل نہیں لندن ٹائمز کے نامہ نگار نے اس کی طرف واضح اشارہ کیا ہے۔ رقم طراز ہے:۔

"ہم کو یہ بھول نہ جانا چاہیئے کہ طرابلس میں اٹلی کی یہ لوٹ مار محض اس سمجھوتہ کا نتیجہ ہے جس کی رو سے یہ طے کیا گیا ہے کہ طرابلس پر اٹلی قابض ہو جائے اور مصر و مراکش پر علی الترتیب انگلستان اور فرانس چھا جائیں"۔ لہ

ماخذ

انقلابات عالم	ابوسعید بزمی
دولت عثمانیہ	محمد عزیر

لہ یہ کفن چوروں کا سمجھوتہ تھا جو مسلم ممالک کی بانٹ کے لئے کیا گیا تھا۔ لیگ آف نیشنز نے جب متعدد مسلم ممالک کو استعماری قوتوں کے سپرد کیا تو علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا:۔ من ازیں بیش ندانم کہ کفن دزدے چند بہر تقسیم قبور انجمنے ساختہ اند۔

بغداد کی تباہی

ہلاکو خاں کا قتلِ عام

[خلیفہ معتصم باللہ کے عہد میں ہلاکو نے بغداد پر حملہ کیا اور اور اس کے وحشی تاتاریوں نے اس شہر کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ خلافتِ بغداد مسلمانوں کا دینی مرکزی حکومت تھی۔ اس کی تباہی عالم اسلام کا حادثہ تھا۔ اس سے ساری اسلامی دنیا میں غم و الم کی لہر دوڑ گئی۔ شاعروں نے پرسوز مرثیے لکھے اور مسلمانوں نے خون کے آنسو بہائے۔ یہ المناک واقعہ ۶۵۵ھ کا ہے]

ابواحد معتصم باللہ سنہ ۶۴۰ھ میں تخت خلافت پر بیٹھا۔ وہ عباسی خاندان کا آخری خلیفہ تھا۔ اس زمانہ میں تاتاری عالم اسلام کے لئے زبردست خطرہ بنے ہوئے تھے۔ انہوں نے کئی اسلامی علاقے فتح کر لئے تھے اور وہاں بڑے

ظلم وستم ڈھائے تھے۔ اس وقت خلیفہ معتصم کا اولین فرض یہ تھا کہ وہ بغداد کی مدافعت وحفاظت کے لئے جس قدر ضروری انتظامات کر سکتا تھا کرے مگر معتصم نااہل تھا۔ اس کی نااہلی اور اس کے وزیر ابن علقمی کی وجہ سے بغداد کی حالت ابتر ہو رہی تھی۔ شیعہ سنیوں کے مختلف فرقوں کے اختلافات وجنگ وجدل اور شہر کے فتنہ پرستوں کی فتنہ انگیزی سے حکومت کا سارا نظم ونسق بگڑ گیا تھا۔ حکومت کی آمدنی اس قدر گھٹ گئی تھی کہ اس کے مصارف پورے ہونا مشکل ہو گئے تھے۔ معتصم نے ابن علقمی کے مشورے سے فوج کا ایک حصّہ برخواست کر دیا اور باقی فوج اور دوسرے عمال حکومت کی تنخواہوں کے مصارف تاجروں، اہل حرفہ اور کاشتکاروں پر پھیلا دئے گئے۔

اس سے شورش اور بڑھ گئی۔ شیعوں نے ابن علقمی کی شہ پر زیادتی شروع کر دی۔ اگرچہ ابن علقمی معتصم پر پوری طرح حاوی تھا۔ مگر اس کے باوجود معتصم کو شیعوں کی یہ زیادتی بہت ناگوار گزری اور اس نے اپنے لڑکے ابوبکر اور امیر رکن الدین سے کہا کہ وہ کرخ کے محلہ میں جس میں شیعہ آباد تھے لوٹ مار مچادیں۔ اور انہوں نے ایسا ہی کیا۔ کرخ کا محلہ لوٹ لیا گیا۔

ابن علقمی کو بنو فاطمہ مصر کی حکومت کے خاتمہ کا بڑا صدمہ تھا۔ وہ یہ چاہتا تھا کہ بنی عباس کو مٹا کر پھر کسی فاطمی کو برسراقتدار لایا جائے اب جب کہ کرخ کا محلہ لوٹا گیا تو وہ اور برہم ہوا۔ اس نے عباسی خلافت کو ختم کر کے فاطمی حکومت قائم کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اس نے فوج کے ایک اور حصّہ کو بھی معتصم کو یہ اطمینان دلا کر الگ کرا دیا کہ اس سے جو رقم بچے گی وہ تاتاریوں کی

مدافعت کے انتظامات کے سلسلہ میں صرف ہوگی۔ یہ کرنے کے بعد اس نے مختلف ذرائع سے تاتاریوں کو بغداد پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ اس نے اپنے بھائی کو بھی زبانی پیام دے کر ہلاکو کے پاس بھیجا۔

لیکن خلافتِ بغداد کو مسلمانوں کی دینی حکومت کی حیثیت حاصل تھی۔ اور انہیں اس کے ساتھ دینی عقیدت تھی۔ ہلاکو ڈرتا تھا کہ اسے چھیڑنے سے اس پر کوئی مصیبت نازل نہ ہو جائے۔ اس کے علاوہ خلیفہ ناصر کے زمانہ میں اماغوں جس کو اوکتایہ خاں نے بغداد پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ دو مرتبہ عباسی فوج سے شکست کھا چکا تھا۔ مگر وزیر ابن علقمی برابر ہلاکو کو بغداد پر حملہ کرنے کے لئے اکساتا رہا۔ آخر میں اس نے مشہور فلسفی اور عالم ریاضی خواجہ نصیر الدین طوسی کی امداد حاصل کی۔ خواجہ صاحب کو ہلاکو کے دربار میں بڑا رسوخ حاصل تھا، انہوں نے بھی ہلاکو کو بغداد پر حملہ کرنے پر آمادہ کیا۔

ہلاکو نے ہمدان سے خلیفہ معتصم کو لکھا کہ :۔

"تم اپنے آپ کو اور دار الخلافت کو ہمارے حوالہ کر دو،
ورنہ تلوار سے کام لیا جائے گا۔"

اس کے جواب میں خلیفہ نے شرف الدین بن عبداللہ کو قاصد کی حیثیت سے ہلاکو کے دربار میں بھیجا۔ ہلاکو نے جب ان سے گفتگو کی تو سمجھ گیا کہ ٹال مٹول سے کام لیا جا رہا ہے۔ چنانچہ اس نے بغداد پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ چند روز کے بعد اس نے تاتاری لشکر سوغونجاق اور باجو خاں کی قیادت میں اربل کے راستہ سے بغداد روانہ کر دیا۔ یہ لشکر بکریت پہنچا جہاں سے دجلہ کو مغربی جانب

سے عبور کر کے شہر انبار پر فرات کی مغربی سمت بڑھا اور اس کے میسرہ نے باب کلواذی کے قریب ڈیرے ڈال دئیے۔ یہ باب بغداد کا مشرقی پھاٹک تھا۔ ذوالحجہ ۶۵۵ھ میں ہلاکو نے یہاں پہنچ کر لشکر کی قیادت اپنے ہاتھوں میں لے لی۔

عباسی فوج کے بہت بڑے حصہ کو پہلے ہی ابن علقمی الگ کرا چکا تھا، تاہم جتنی فوج باقی رہ گئی تھی اس کو لے کر امیر دیودار نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا اور پہلے حملہ میں تاتاریوں کو پسپا کر دیا گیا۔ لیکن پھر تاتاریوں نے اس زور کا دھاوا کیا کہ عباسی فوجیں اس کی تاب نہ لا سکیں اور شکست کھا کر بغداد کی طرف پسپا ہو گئیں۔ بدقسمتی سے عین اس وقت دجلہ کا ایک بند ٹوٹ گیا اس سے راستہ میں پانی حائل ہو گیا اور تاتاریوں نے تعاقب کر کے پوری عباسی فوج کو تہ تیغ کر ڈالا۔ امیر دیودار قتل ہوا اور اس کے تمام ساتھی گرفتار ہو گئے تاتاریوں نے بڑھ کر بغداد کا محاصرہ کر لیا۔ اب اہل بغداد میں مقابلہ کی سکت باقی نہیں تھی۔ مگر ابھی ابن علقمی کا جذبۂ انتقام ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔ اس نے ہلاکو سے اپنی جان بخشی کرائی اور معتصم اور اس کے ساتھ بغداد کے تمام علماء و فقہاء و مدرسین اور اکابر و اعیان کو یہ یقین دلا کر کہا کہ انہیں کسی قسم کا نقصان نہ پہنچے گا۔ ان سب کو ہلاکو کے پاس لے گیا۔ اس نے خلیفہ کو یقین دلایا کہ ہلاکو کو منصب و خلافت پر برقرار رکھے گا اور اس کے لڑکے ابوبکر کے ساتھ اپنی لڑکی کی شادی کر دے گا۔ مگر ہوا کیا! جب یہ سب ہلاکو کے سامنے پیش ہوئے تو یہ سب کے سب قتل کر دیئے گئے۔ چند لوگوں نے ہلاکو کو رائے دی کہ خلیفہ کے

خون سے ہاتھ نہ رنگے جائیں بلکہ ایک نمدے میں لپیٹ کر اس کی جان نکالی جائے چنانچہ اسے ایک نمدے میں لپیٹا گیا اور ڈنڈے مار مار کر اسے ہلاک کیا گیا۔ اور اس کی لاش کو پیروں سے مسلا گیا۔ ان میں سے کسی کو گور و کفن میسر نہ آیا۔ یہ المناک واقعہ سنہ ۶۵۶ھ کا ہے۔

اس کے بعد وحشی تاتاری بغداد میں گھس گئے اور کئی دن تک قتل عام کرتے رہے۔ عورتوں اور بچوں نے نکل جانا چاہا لیکن تاتاریوں نے ان کو بھی زندہ نہ چھوڑا قتل و غارت کے ساتھ چالیس روز تک نہایت بے دردی سے بغداد کو لوٹتے رہے۔

بغداد اپنے عروج کے زمانہ میں عروس البلاد تھا۔ دنیا کا کوئی شہر اس کی ہمسری نہیں کر سکتا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ مسلسل انقلابات سے وہ ویران ہو چکا تھا مگر اس گئی گزری حالت میں بھی اس کا شمار دنیائے اسلام کے ممتاز ترین شہروں میں ہوتا تھا۔ ہلاکو اور اس کے وحشی تاتاریوں نے اس عظیم الشان شہر کو لوٹ کر ویران و برباد کر ڈالا۔

ابن خلدون کا بیان ہے :-

"صرف شاہی محلات سے انہوں نے جتنی دولت اور جس قدر ساز و سامان لوٹا اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا، عباسی کتب خانہ کی تمام کتابیں جو صدیوں کا سرمایہ تھیں۔ دجلہ میں ڈبو دی گئیں۔ مقتولین کی تعداد کا اندازہ سولہ لاکھ کیا جاتا ہے۔"

موسیو لیبان لکھتا ہے:۔

"مغلوں نے ۶۵۶ھ (۱۲۵۸ء) میں بغداد پر قبضہ کیا۔ شہر میں قتل عام ہُوا اور معتصم باللہ آخری عباسی خلیفہ ہلاکو خاں بادشاہ مغل کے ہاتھ سے مارا گیا۔ ساری دولت لٹ گئی۔ کتابیں کچھ جلا دی گئیں۔ کچھ دجلہ میں پھینک دی گئیں۔"

قطب الدین الحنفی قمطراز ہیں "ان شائقین علوم و فنون (عباسی خلفاء) نے اس واقعہ سے پہلے اس قدر علمی ذخیرہ جمع کیا تھا کہ جس وقت مغلوں نے مدارس کی کتابوں کو دجلہ میں ڈالا تو اس سے ایک پُل تیار ہو گیا جس کے اوپر سے سوار پیدل بخوبی گذر سکتے تھے اور دریا کا پانی بالکل سیاہ ہو گیا تھا۔"

بغداد کی بیس لاکھ آبادی میں سے صرف چار پانچ لاکھ افراد بچ سکے۔ ۱۹ محرم ۶۵۶ھ کو باب کلوازی کی جانب برج عظمی پر تاتاریوں کا پرچم لہرایا گیا۔

ابن طقطقی کا بیان ہے کہ تاتاریوں کے ہاتھوں بغداد کے قتل عام اور وحشیانہ لوٹ کا اجمالی حال سننا بھی بڑی بات ہے۔ تفصیل سننے کی تاب کس کو ہو گی۔ اس شہر پر جو کچھ گذر گئی۔ اس کو قلم انداز کیا جاتا ہے۔ صرف اس کا قیاس کر لو۔ اس کا حال نہ پوچھو۔

بغداد پر قبضہ کے بعد سارا عراق تاتاریوں کے زیر نگین ہو گیا۔ اور سوا پانچ صدیوں کے بعد (۱۳۲ھ میں عباسی خلیفہ سفاح کی بیعت ہوئی اور ۶۵۶ھ میں

معتصم قتل ہُوا، عباسی خلافت ختم ہوگئی اور اس کے ساتھ مسلمانوں کی سیاسی مرکزیت کا بھی خاتمہ ہوگیا۔

عباسی خلافت کے خاتمہ کے بعد ابن علقمی نے تاتاریوں کو علوی خلافت قائم کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی اور اس کو اس نمک حرامی کے صلہ میں ذلت و رسوائی کے سوا کچھ حاصل نہ ہُوا۔ اور چند دنوں کے بعد وہ مرگیا۔

خلافت بغداد مسلمانوں کا دینی مرکزی حکومت تھی۔ اس کی تباہی عالم اسلام کا حادثہ تھا۔ اس سے ساری دنیائے اسلام میں غم و الم کی لہر دوڑ گئی۔ لوگوں کے رنج کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ شعراء نے پرسوز مراثی لکھے جن میں تقی الدین ابی الیسر کا مرثیہ بہت مشہور اور موثر ہے۔ وہ بغداد کی تباہی پر اس طرح نوحہ کرتے ہیں:۔

"بہنے والے آنسو بغداد کے واقعات بیان کر رہے ہیں سارے احباب تو رخصت ہوگئے۔ تم کیوں ٹھہرے ہوئے ہو اے زوراء کی زیارت کرنے والو، اب تمہارے آنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس مرغزار میں کوئی رہنے والا باقی نہیں رہا۔

خلافت کے تاج اور اس مرغزار کو جس پر کنگرے بلند تھے ویرانی نے بالکل مٹا دیا۔ اس مرغزار میں پیرانہ سالی کی جھریوں کا نشان ہے اور ان کھنڈروں کے نشانات

پر آنسوؤں کے نشان ہیں۔

اے میرے دل کی آگ جو لڑائی کی آگ سے پیدا ہوئی ہے وہ ایسی بھڑکی کہ مرغزار پر بادِ سموم چل گئی۔

صلیب اس کے منبروں پر چڑھ گئی اور ایک زنار پوش حکمراں ہو گیا ہے۔

کیسی کیسی پردہ نشین خواتین کو ترکوں نے جبر و ظلم سے قید کر لیا ہے جو پردہ در پردہ رہتی تھیں۔

اور بادیہ میں کتنے ماہ کامل گہن میں آ گئے اور جا کر اس کا کوئی مہ کامل واپس نہیں آیا۔

اور کتنے ذخیرے لوٹ مار میں بٹ گئے اور کافروں نے ان کو اپنے قبضہ میں کر لیا اور کتنی تلواریں گردنوں پر چل گئیں اور اس میں ہتھیار رکھ دیے گئے۔

میں نے قیدیوں کو پکارا کہ وہ سفاح کی جانب گھسیٹ کر ذلیل کئے جا رہے تھے۔ اور دشمنوں سے خوف زدہ تھے

سعدی شیرازی نے عربی و فارسی دونوں زبانوں میں مرثیہ لکھا۔ فارسی کا زیادہ مشہور اور مؤثر ہے۔ چند شعر یہ ہیں:۔

~

آسماں را حق بود گر خون ببارد بر زمین
بر زوالِ ملک معتصم امیر المومنین

اے محمد گر قیامت سر برون آرے ز خاک

سر برون آرد قیامت درمیانِ خلق بیں

نازنیناںِ حرم را موج خون بے دریغ

ز آستاں بگذشت و مارا خونِ دل در آستیں

خونِ فرزندانِ محمد مُصطفٰے شد ریختہ

ہم براں جائیکہ سلطاناں نہادندے جبیں

ماخذ

تاریخ اسلام جلد سوم — شاہ معین الدین

تاریخ اسلام جلد سوم — مولانا اسلم جیراجپوری

مسلمانوں کا عروج و زوال — سعید احمد

عربوں کی بغاوت

اور ترکوں سے غداری

ترکوں کے خلاف عربوں کی بغاوت تاریخ اسلام کا ایک افسوسناک باب ہے۔ یہ بغاوت اس وقت رونما ہوئی جب ترک موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا تھے، یہ صحیح ہے کہ عربوں میں قومی شعور بیدار ہو چکا تھا۔ اور وہ اپنی ایک الگ ریاست قائم کرنا چاہتے تھے مگر اس کے لئے انہوں نے جو طریقہ اور وقت انتخاب کیا وہ نہایت نامناسب تھا، اس بغاوت کی وجہ سے ترکوں کو مشرق وسطیٰ کے جنگی محاذ پر ناکامیاں اٹھانا پڑیں۔ اگر یہ بغاوت نہ ہوتی تو ممکن تھا کم از کم مشرق میں پہلی جنگ عظیم کا کچھ اور ہی نتیجہ برآمد ہوتا۔ اس کے علاوہ اس سلسلہ میں انگریزوں نے عربوں سے

جو وعدے کئے تھے ان کو کہاں تک ایفا کیا گیا یہ بھی ایک دردناک داستان ہے۔

اس موضوع پر جو مضمون درج کیا جاتا ہے بمجلا عزیزالدین کی کتاب "عرب دنیا" سے لیا گیا ہے۔]

عربوں کی بغاوت ۱۹۱۶ء کے موسم بہار میں حجاز سے شروع ہوئی یہ کوئی ایسا واقعہ نہ تھا جس کے آثار پہلے سے ظاہر نہ ہوں۔ یہ بغاوت مقامی یا محدود بھی نہ تھی۔ دراصل یہ اس حقیقت کی مظہر تھی کہ عربوں میں قومی شعور بیدار ہو چکا ہے۔ اور وہ اس بات سے باخبر ہو گئے ہیں کہ ان کی ہستی اور منزل مقصود ترکوں سے الگ اور سلطنت عثمانیہ کی حدود سے باہر ہے، جو رجحانات اور قوتیں تین سو سال پہلے کی مدت میں تشکیل پا رہی تھیں انہوں نے آہستہ آہستہ عربی انفرادیت کے احساسات کو پیدا کر دیا اور عربی قوم پرستی کی ایک شکل قائم کر دی خواہ وہ ابھی تک کیسی ہی مبہم اور غیر واضح کیوں نہ ہو۔

پہلی عالمگیر جنگ سے پہلے کے سال، ہیجان اور جوش و خروش کے سال تھے۔ ترکی انقلاب سے اب قائدین کی آنکھیں کھل چکی تھیں۔ انہوں نے نوجوان ترکوں کے ساتھ تعاون کی جو امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں، وہ سب غارت ہو چکی تھیں۔ اس لئے ان حالات نے عرب قائدین کی ان کوششوں میں شدت پیدا کر دی جو وہ عربی آزادی اور قومی وجود کے لئے کر رہے تھے۔ ترکی دستوریہ کے اعلان نے سیاسی سرگرمیوں کے مواقع مہیا

کر دیے۔ عربی صوبوں نے قسطنطنیہ کی شہنشاہی پارلیمنٹ میں نمائندے بھیجے جہاں انہوں نے عربوں کے حقوق کی مدافعت میں بڑے جوش کے ساتھ آواز بلند کی۔ اخبارات اور رسائل نے اپنے قارئین کے درمیان قومی احساسات کی اشاعت دوچند کر دی اور انہیں خوب پھیلایا۔ سیاسی انجمنیں قائم ہوئیں اور عرب ممالک کی آزادی کے لئے کام کرنے لگیں۔ ان میں سے دو انجمنیں خفیہ تھیں جو اس تحریک کی راہنمائی کر رہی تھیں۔ ایک کا نام الفتاۃ تھا۔ اس کی بنیاد پیرس میں ۱۹۱۱ء میں پڑی۔ اس کے ارکان زیادہ تر پیشہ ور طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ دوسری "العہد" کے نام سے موسوم تھی۔ یہ فوجی افسروں کی انجمن تھی۔ ان دونوں کے ارکان عراق، مصر، شام اور فلسطین میں موجود تھے۔

نیا ترکی نظام جس پر اتحاد تورانی کے رجحانات کا رنگ چڑھا ہوا تھا عربی تمناؤں کا مخالف تھا۔ عربی ثقافت و قومیت کو دبانے کے لئے ایک پالیسی وضع ہوئی۔ صوبہ داری کونسلوں کی برطرفی کے بعد ہی دمشق اور بیروت میں عام ہڑتال کا اعلان کیا گیا۔ اس ہڑتال نے دونوں شہروں کو بند کر دیا۔ خبر رسانی کے تمام وسائل موقوف کر دیئے اور لوگوں کے تمام طبقوں کو عوامی مظاہرات اور قوم پرستانہ احسانات کے اعلان کے لئے یکجا کر دیا۔

ترکی حکومت نے عرب قائدین کی مجلس سے گفت و شنید کرنے کے لئے جو پہلی عمومی عرب کانگرس کی حیثیت رکھتی تھی۔ اور ۱۹۱۳ء میں پیرس میں منعقد ہوئی تھی اپنا سرکاری نمائندہ بھیج کر قومی تحریک کو تسلیم کیا۔ دونوں کے

درمیان مرکزیت کی تنسیخ کی بنا پر ایک معاہدہ مکمل ہُوا اور یہ بھی طے پایا کہ عرب صوبے سلطنت عثمانیہ کے اندر خود اختیاری حکومت سے مستفید ہوں گے۔ دوسری شرائط میں یہ دفعات بھی تھیں کہ عربی زبان پبلک سکولوں میں تعلیمی زبان تسلیم کی جائے گی۔ اور پارلیمنٹ میں عربوں کے لئے مناسب تعداد میں نشستیں مخصوص کی جائیں گی۔ ترکی نمائندے نے عرب لیڈروں کو ترکی حکومت کی خیر سگالی کا اور اس بات کا یقین دلایا کہ حکومت ترکوں اور عربوں کے درمیان دینی و ثقافتی روابط موجود ہونے کی وجہ سے عربوں کے مطالبات پورا کرنے میں بہت آگے بڑھنے کو تیار ہے۔

عربی صوبوں میں اس معاہدہ کا خیر مقدم کیا گیا۔ لیکن ترکی حکومت نے خواہ کوئی وجہ بھی ہو اسے عمل میں لانے کا ارادہ نہیں کیا۔ پہلی عالمگیر جنگ شروع ہونے پر اسے بھلا دیا گیا۔ ان حالات کی بنا پر عرب لیڈروں کو اس کا یقین ہو گیا کہ اب ان کے مسئلہ کا حل ایک کمزور مرکز والی ترک عرب مملکت سے تعاون کے اندر نہیں بلکہ سلطنت عثمانیہ سے کامل علیحدگی اور ایک آزاد عرب مملکت کے قیام سے ہے۔

جس وقت پہلی عالمگیر جنگ کا اعلان ہُوا ہے عرب اور ترکوں کے درمیان تعلقات انقطاع کی حد تک کشیدہ ہو چکے تھے۔ برطانوی حکام جو عرب ممالک پر نظریں جمائے ہوئے تھے، یہ دریافت کرنے کے لئے عرب لیڈروں کے پاس پہنچے کہ اگر ترکی اتحادیوں کے خلاف جنگ میں شریک ہوا تو عرب ملکوں کا رویّہ کیا ہو گا۔ ترکی کے جنگ میں داخل

ہونے کے بعد ہی فوراً لارڈ کچنر وزیر جنگ نے قاہرہ کی برطانوی ایجنسی کو تار کے ذریعہ یہ پیغام بھیجا کہ اگر جنگ میں عرب برطانیہ کا ساتھ دیں گے تو انگلستان عربوں کی جدوجہد آزادی میں ان کی حمایت کا پابند رہے گا کچنر کا پیام ۳۱ ۔ اکتوبر ۱۹۱۴ء کو مکہ میں شریف حسین کو پہنچایا گیا ۔ چند ماہ بعد شریف کو ایک اور برطانوی حاکم گورنر جنرل سوڈان کا حوصلہ افزا پیام وصول ہُوا ۔

اس وقت عربوں کو اپنے لئے مناسب موقعہ نظر آ رہا تھا ۔ تاہم وہ اِس مہم میں اندھا دھند کود نہیں پڑے ۔ کئی اندیشے تھے جن کی وجہ سے وہ ہچکچاتے تھے ۔ شریف کے مکان میں ان کا دوسرا بیٹا عبداللہ برطانوی اتحاد کی حمایت کر رہا تھا ۔ مگر فیصل عراق اور شام میں برطانوی اور فرانسیسیوں کی چالوں کی طرف سے مشتبہ تھا ۔ خود شریف اس بات کو ترجیح دیتا تھا کہ جب تک حجاز سے باہر کے عربوں کا رویہ معلوم نہ ہو جائے اسے اپنے موقف کا اعلان نہ کرنا چاہیئے ، اسے اس معاملہ میں زیادہ منتظر نہ رہنا پڑا اور وہ اس طرف سے جلد ہی مطمئن ہو گیا ۔ دمشق سے اس کے پاس ایک فرستادہ آیا جو شام اور عراق کے لیڈروں کا یہ زبانی پیغام لایا کہ سیاسی لیڈر اور ترکی فوج کے اعلیٰ عرب افسر عربی آزادی کی خاطر بغاوت کرنے کے حامی ہیں ۔ ساتھ ہی اس نے یہ دریافت کیا کہ آیا شریف اس کی قیادت کرنے کے لئے تیار ہے ؟ یہ قاصد جنوری ۱۹۱۵ء میں مکہ آیا ۔ اس سال کے موسم بہار میں فیصل نے دمشق کا سفر کیا ۔ یہاں اسے خفیہ قوم پرست انجمنوں میں باضابطہ طور پر شریک کیا گیا ۔ اس نے ان کے ممبروں کو بھی اہل یورپ کے ارادوں کی نسبت انہی اندیشوں اور شبہوں میں مبتلا پایا جو خود اس کے دماغ کو پریشان

کئے ہوئے تھے۔ لیکن اس بات کی تائید سب نے کی کہ اگر عربوں کی آزادی کی مناسب ضمانت حاصل ہو سکے تو عرب بغاوت کر دیں۔ اس سے پہلے جب برطانوی حکام حسین کے نام کیچز کے پیغام پر گفتگو کرنے کے لئے مصر میں عرب لیڈروں کے پاس پہنچے تھے تو قریب قریب یہی رجحان انہوں نے بھی ظاہر کیا تھا۔ بلکہ قاہرہ اور دمشق میں عربوں کی شرکتِ جنگ کی شرط کی حیثیت سے قطعی معاہدات پر اصرار کیا گیا۔

دمشق کے لیڈروں نے برطانیہ عظمیٰ کے ساتھ مخالفت کی بنیاد کے طور پر ایک مسوّدہ تیار کیا اور امیر فیصل کے سپرد کیا تاکہ وہ اسے اپنے والد کو پہنچادیں یہ مسودہ جو دستاویز دمشق کے نام سے مشہور ہے شرائط ذیل پر مشتمل تھا:۔

"سوائے عدن کے جو عرب ملک خاص طور پر بیان کی ہوئی سرحدوں پر واقعہ ہیں اور ایشیا کے تمام عرب علاقوں پر مشتمل ہیں۔ برطانیہ ان کی آزادی کو تسلیم کرے۔"

"تمام استثنائی رعائیتیں جو معاہدہ کے تحت غیر ملکیوں کے لئے منظور کی گئی ہیں منسوخ کر دی جائیں۔"

"برطانیہ عظمیٰ اور مستقبل کی آزاد عرب مملکت کے درمیان دفاعی معاہدہ کی تکمیل کی جائے۔"

"برطانیہ عظمیٰ کے لئے اقتصادی ترجیح کا اصول منظور کیا جائے۔"

اب حسین نے قطعی طور پر اعلان کر دیا۔ اس نے اپنے مکتوب مورخہ

۱۴ر جولائی ۱۹۱۵ئہ میں عربوں کی شرائط شرکتِ جنگ کی حیثیت سے دستاویز دمشق پیش کی۔ یہ وہی خط ہے جس سے حسین اور میک موہن کی منحوس مراسلت کا آغاز ہُوا۔ اس موقع پر اس بات پر زور دینا اور اسے اچھی طرح ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ حسین کی دستاویز دمشق کی بنا پر عربوں کا معاہدہ تسلیم کیا گیا تھا۔ اور اس دستاویز میں واضح طور پر بیان کر دیا گیا تھا کہ اصل منزل مقصود آزادی ہے۔ برطانیہ عظمیٰ کے ساتھ یہ تعاون اس شرط پر تھا کہ برطانیہ عربوں کی آزادی کو قبول کرے۔

حسین کے اس خط کا جواب جو میک موہن نے دیا سخن سازی اور ابہام کا ایک معمہ بنا ہُوا تھا۔ اس جواب میں عربوں کی نسبت برطانیہ کے نیک ارادوں کی توثیق کی گئی تھی۔ اور جب بھی ایک عرب خلافت کا اعلان ہو سکے، اس کے قیام پر پسندیدگی کا اظہار کیا گیا تھا۔ اس کے بعد لکھا تھا۔ جنگی سرگرمیوں کے دوران میں حدود کے مسئلہ پر غور کرنا مشکل ہی سے موزوں ہو گا۔ خصوصاً ایسی صورت میں کہ ان سرحدوں کے بعض علاقے ابھی تک ترکوں کے ماتحت ہیں۔

حسین نے جواباً میک موہن کے ٹال مٹول پر تعجب ظاہر کیا اور وضاحت کے طور پر لکھا کہ مجوزہ حدود عرب عوام کے مطالبات ہیں۔ کسی ایک فرد کے تجویز کئے ہوئے نہیں۔ اس لئے اصرار کے ساتھ اس بات پر توجہ دلائی کہ اس مسئلہ میں برطانیہ کے فیصلہ پر گفت وشنید کا نتیجہ منحصر ہے۔

میک موہن نے محسوس کیا کہ اس موقع پر اس کے جواب سے بعض زیادہ قطعی نتائج رونما ہو سکتے ہیں۔ پھر بھی اس نے جو خط لکھا کئی قیود اور تحقیقات

کے ساتھ محصور تھا۔ اس نے اپنے مکتوب مورخہ ۲۴ر اکتوبر ۱۹۱۵ء میں مرسینہ الگزنڈریٹا اور شام کے ان علاقوں کو جو اضلاع دمشق، حمص، حامہ اور حلب کے مغرب میں واقع تھے۔ اس مفروضہ کی بنا پر کہ یہ خالص عرب علاقے نہیں ہیں دستاویز دمشق کی مندرجہ حدود سے مستثنیٰ کر دیا۔ اس تبدیلی کے ساتھ اور اس اہتمام سے کہ عرب سرداروں سے برطانیہ عظمیٰ کے معاہدات کو نقصان نہ پہنچے اور نہ برطانیہ کے حلیف فرانس کے مفادات متاثر ہوں، برطانوی حکومت نے معاہدہ کیا کہ شریف مکہ نے جن علاقوں اور سرحدوں کی نسبت مطالبہ کیا ہے، ان سب کے اندر عربوں کی آزادی کو تسلیم کرے گا۔ اور ان کی تائید کرے گا۔

حسین مرسینہ کو خارج کر دینے پر راضی ہو گیا۔ لیکن شام میں ایک بالشت زمین بھی چھوڑنے کے لئے تیار نہ ہوا۔ جس کے باشندے سب عرب ہیں گو سب مسلمان نہ سہی اس لئے وہ کہتا ہے:۔

"ایک مسلمان اور ایک عیسائی عرب میں کوئی فرق نہیں ہے۔ وہ سب ایک ہی دادا پردادا کی اولاد ہیں"

ان گفتگوؤں کے بعد عرب جنگ میں اتحادیوں کی طرف سے داخل ہوئے۔ عربوں کی آزادی کے لئے ۵ر جون ۱۹۱۶ء کو پہلا وار مکہ سے کیا گیا۔ بغاوت شروع کر دی گئی۔ اور ٹھیک موقع سے شروع ہوئی۔ اس زمانہ میں جب عرب اس کی مہم میں شریک ہوئے تو اتحادیوں کا ستارہ عروج

پر نہ تھا۔

عربوں کی بغاوت نے مشرقی محاذ پر اتحادیوں کی فتوحات پر معتدبہ مدد پہنچائی۔ سلطان ترکی نے جہاد کا اعلان کر دیا تھا۔ جس میں مقدس جنگ کی حیثیت سے حصّہ لینا تمام مسلمانوں کا فرض تھا۔ مگر شریف مکّہ نے جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی اولاد میں سے تھا اور اسلام کے مقدس شہروں کا محافظ تھا۔ اس بغاوت کی رہنمائی کر کے جہاد کا زور توڑ دیا۔ عربی بغاوت نے عرب کے خلاف ترکی اور جرمنوں کی متحدہ مہم کو بیکار کر کے رکھ دیا۔ جو عدن پر لیکایک قبضہ کر چکی ہوتی۔ جرمن عرب کے اندر رہ کر بحیرۂ احمر کے راستہ میں روڑے اٹکا سکتے تھے۔ اور اس طرح بحر ہند ان کی کاروائیوں کے لئے کھل جاتا۔ عرب بغاوت نے ان منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔

لڑائی میں عربوں نے ایک قابل وقعت حصّہ لیا۔ جب بہار ۱۹۱۷ء میں جنرل مرے فلسطین پر پیش قدمی کر رہا تھا، اس نے اچانک محسوس کیا کہ زیادہ ترکی فوجیں اس سے نہیں عربوں کے ساتھ لڑ رہی تھیں۔ فلسطین میں ایل بی کی مہم کے دوران میں فیصل کی فوج جواب زیادہ تر شام، فلسطین اور عراق کی سپاہ سے مرکب تھی، اور ان کے مشرق میں قریب قریب اپنی ہم تعداد ترکی فوج کے ساتھ برسر جنگ تھی، جو دریا کے مغربی جانب برطانوی فوجوں کا مقابلہ کر رہی تھی۔ جنوب میں عرب ایک اور بڑی ترکی فوج کو روکے ہوئے تھے پھر ۱۹۱۸ء میں جیسا کہ اس سے پیشتر سال ہوا تھا فلسطین میں برطانوی پیش قدمی

کی مدافعت کے لئے تو تھوڑے ہی ترک تھے۔لیکن عربوں سے لڑنے میں ان کی بڑی تعداد مصروف تھی۔مزید برآں ترک اور ان کے حلیف جرمن جو غنیم کے علاقہ میں لڑ رہے تھے بہت پریشان ہوئے اور انہیں متواتر و فتنوں کا سامنا کرنا پڑا۔مشرق قریب میں برطانوی مہم بلاشبہ اپنی آخری کامیابی میں عربوں کی امداد ہی کی رہین منت تھی۔[1]

ماخذ

عرب دنیا — بحلاعزالدین

[1] اور یہ امداد انگریز نے اپنی پرانی چال عیاری و ڈپلومیسی سے حاصل کی۔ مصر میں جنرل میکموہن اور عرب میں کرنیل لارنس اسی کے مرکز تھے۔کرنل لکھتا ہے:۔ ۱۹۱۶ء میں شاہ حجاز کو ہم نے اتحادیوں کا ساتھ دینے پر آمادہ کیا (ڈیلی ایکسپریس لنڈن ۲۸ ص)

برامکہ کا زوال

[ہارون الرشید کا زمانۂ خلافتِ عباسیہ کا عہد زریں تھا۔ گو اس کی شان و شوکت، جاہ و جلال اور درخشانی میں خود ہارون کی ذاتی خصوصیات کو بھی بڑا دخل ہے۔ لیکن اس سے بھی زیادہ اس کی عہد کی عظمت اور ترقیوں کا سہرا اس کے نامور برمکی وزراء کے سر ہے۔ ان کی فیاضیوں زرپاشیوں، علم نوازی اور تمدن پروری نے ہارونی عہد کو نہ صرف عباسی دور کا بلکہ تاریخ اسلام کا درخشاں عہد بنا دیا تھا۔ برامکہ کا زوال تاریخ کا ایک نہایت المناک واقعہ ہے۔]

برامکہ کا جد اعلےٰ برمک بلخ میں آتشکدہ کا سردار اور بڑی عزت و تکریم کا مالک تھا۔ ظہور اسلام کے بعد اس خاندان کے بعض افراد مسلمان ہو گئے

ان میں سے ایک خالد برمک بھی تھا۔ جس نے دولت عباسیہ کے آغاز میں بڑا عروج حاصل کیا۔ وہ خلیفہ سفاح اور خلیفہ منصور دونوں کے زمانہ میں منصب وزارت پر فائز رہا۔ خالد بہت بلند پایہ فاضل، شرافت کا مجسمہ اور بیدار مغز انسان تھا۔ سفاح اور منصور دونوں اس کی انتہائی عزت کرتے تھے۔ اس کے لڑکے یحییٰ کو۔ ہارون نے اپنی خلافت سے قبل اپنا سیکرٹری مقرر کیا تھا اور اس کے مشورے پر عمل کرتا تھا۔ ہارون اس کو اپنا باپ کہا کرتا تھا جب ہارون تخت خلافت پر متمکن ہُوا تو اس نے یحییٰ کو اپنا وزیر مقرر کیا۔ یحییٰ علم و فضل اور جود و سخا میں اپنے دَور کی سب سے مشہور شخصیت تھی۔ ہارون نے اپنی سلطنت کے سب امور اسے سونپ دیئے تھے۔ یحییٰ کے چار لڑکے تھے۔ فضل، جعفر، موسیٰ اور محمد۔ ان چاروں میں کچھ نہ کچھ خصوصیات تھیں۔ لیکن فضل اور جعفر نے اپنے اوصاف و کمالات کی وجہ سے زیادہ ناموری حاصل کی۔ جعفر مجموعی حیثیت سے اپنے تمام بھائیوں پر فائق تھا۔ خاندان برامکہ میں اس سے زیادہ بلند مرتبہ، عالی ہمت اور دبدبہ و شکوہ کا کوئی شخص نہیں تھا۔ اسے ہارون کے مزاج میں بے حد دخل تھا۔ ہارون کو بھی اس سے غیر معمولی انس تھا۔ دونوں میں اتنی محبّت دیکھی جاتی تھی کہ مخصوص محفلوں میں دونوں ایک ساہی لباس پہنتے تھے۔ ہارون کو جعفر کے بغیر ایک پل بھی چین نہیں پڑتا تھا۔ اس نے جعفر کو سفید و سیاہ کا مالک بنا دیا تھا۔ یحییٰ اور اس کے چاروں بیٹوں نے ان تمام خدمات کو جو ان کے سپرد کی گئیں نہایت ذمہ داری، وفاداری اور قابلیت سے سرانجام دیا۔ سرحدوں کو مستحکم کیا۔ داخلی خرابیوں کو دور کیا۔ سلطنت کی آمدنی میں اضافہ

کیا اور اپنے حسن انتظام سے ساری سلطنت میں خوشحالی پیدا کر دی۔ برامکہ کا حال بیان کرتے ہوئے ایک مورخ لکھتا ہے کہ :۔

"یحییٰ اور اس کی اولاد آسمانِ عزت کے روشن ستارے تھے۔ علم و فضل میں موجیں مارتے ہوئے سمندر تھے جود و سخا میں بے پناہ سیلاب اور موسلا دھار بارشیں تھے آداب و تہذیب کے بازار ان کے دم سے بارونق تھے باعزت لوگ ان کے زمانہ میں سربلند تھے۔ دنیا ان کے زمانہ میں آباد تھی۔ سلطنت کی شان و شوکت ان کے دور میں بہت بڑھ گئی۔ مظلوم و فریاد کے وہ ملجا تھے اور مصیبت زدہ لوگوں کی پناہ گاہ تھے۔"

لیکن پھر ایک ایسا وقت آیا کہ ان کا نام و نشان تک مٹ گیا۔ آخر اس زوال اور تباہی کے کیا اسباب ہیں۔ مؤرخین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ کن وجوہ کی بنا پر ہارون برامکہ کو ختم کرنے پر مجبور ہوا تھا۔ حالانکہ ہارون یحییٰ کی آغوش میں جوان ہوا تھا۔ یہاں تک کہ اُسے والد محترم کے الفاظ سے خطاب کرتا تھا۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ ہارون اپنی بہن عباسہ اور جعفر کے درمیان تعلقات کی بنا پر برامکہ پر غضبناک ہوا تھا۔ بعض مورخین کی رائے ہے کہ جعفر نے یحییٰ بن عبداللہ علوی کو رہا کر دیا تھا۔ جسے نظر بند رکھنے کے لئے خلیفہ نے حکم دیا تھا۔ یہ عدول حکمی برامکہ پر عتاب کا ایک اہم سبب بن گئی تھی۔ بعض مورخین کا کہنا ہے کہ سلطنت عباسیہ کے نظم و نسق پر برامکہ کا پورا

اقتدارِ سلطنت کی ساری دولت پر ان کا تسلط، عوام کو اپنا گرویدہ بنانے کے لئے ان پر اس کا بے دریغ صرف، یہ اسباب تھے جن کی وجہ سے ہارون کے دل میں برامکہ کے خلاف ——— بے پناہ غیض و غضب پیدا ہو گیا تھا اور اس نے فیصلہ کر لیا کہ ان کو مٹا دیا جائے۔ بہر حال برامکہ کی بربادی متواتر اسباب کا ردِ عمل تھی۔

۱۸۶ھ میں ہارون الرشید اور جعفر برمکی حج کے لئے گئے۔ یہ جعفر برمکی کا آخری حج تھا ——————— کیونکہ اس وقت تک ہارون جعفر برمکی کے قتل اور برامکہ کو تباہ و برباد کرنے کا عزم کر چکا تھا۔ اور برامکہ سے اس کے تعلقات کچھ کچھ کشیدہ ہو گئے تھے۔ اوائل ۱۸۷ھ میں وہ حج سے لوٹے۔ ہارون رشید انبار میں ٹھہرا۔ لیکن آبادی سے ہٹ کر ایک ویران گاؤں میں جس کا نام دیر مرتھا خیمے نصب کئے گئے۔ یہاں صرف ایک راہب کی خانقاہ تھی۔ شاہی خیموں سے متصل جعفر برمکی نے بھی اپنی بارگاہ سجائی تھی۔ مکہ معظمہ ہی سے ہارون کا مزاج جعفر کی طرف سے برہم ہو چلا تھا لیکن اس نے انتہائی ظاہر داری برتی اور اپنے رویہ سے کسی قسم کے رنج و عناد کا اظہار نہ ہونے دیا۔ اس طرف جعفر بھی بے خبر نہ تھا۔ اسے بھی معلوم ہو گیا کہ ہارون کے طرزِ عمل میں تبدیلی آ گئی ہے مگر وہ ظاہر داری سے کام لے رہا ہے۔ وہ بھی اپنے بچاؤ کی تدبیریں ہر دم سوچتا رہتا تھا۔ اور حسرت و یاس کا یہ عالم تھا کہ بات بات پر اصطرلاب سے ستاروں کو دیکھتا۔ زائچہ کشی کرتا اور فال شگون سے دل بہلاتا تھا۔ لیکن بے قرار دل کو کسی طرح صبر و سکون

نہ ملتا تھا۔ موت کا خطرہ ہر دم پیش نظر تھا۔

اسی طرح وقت گزرتا گیا۔ جعفر ہر روز صبح کو سلطنت کے امور کی انجام دہی اور اطراف سے آئی ہوئی ڈاک پیش کرنے کے لئے خلیفہ کے پاس جاتا اور اپنا کام سرانجام دے کر واپس آجاتا۔ خلیفہ اس سے بہت لطف و عنایت اور مہربانی سے پیش آتا تھا۔ لیکن جعفر جیسا جہاندیدہ شخص خوب سمجھتا تھا کہ یہ نوازشات خالی از علت نہیں یوں محرم کا آخری دن آپہنچا۔ جعفر اس روز خلیفہ کے ساتھ شکار کو گیا۔ شام کو واپس آیا تو تھکا ماندہ تھا۔ واپسی پر اس نے دیکھا کہ اس کے دوست احباب اس کے منتظر ہیں۔ اس نے عیش و نشاط کی محفل جمانے کا حکم دیا اور راگ رنگ میں مشغول ہو گیا۔

ادھر ہارون اپنے شاہی خیمہ میں تنہا تھا۔ اس کے چہرہ پر فکر و پریشانی کے اثرات تھے۔ وہ کبھی ٹہلنے لگتا۔ کبھی کھڑا ہو جاتا۔ کبھی نیچے کی طرف دیکھتا کبھی اوپر کی طرف۔ آخر اس نے نماز پڑھنی شروع کی۔ صبح کے قریب وہ ایک عزم کر چکا تھا، پختہ عزم۔ اس نے اپنے دربان اور جلاد مسرور کو آواز دی۔ وہ آیا اور خلیفہ کے سامنے دست بستہ کھڑا ہو گیا۔ خلیفہ نے اس کی طرف دیکھا۔ اور بولا۔

"مسرور کیا تم تو اپنے میں اتنی طاقت پاتا ہے کہ امیر المومنین تجھے جو حکم دیں وہ بلا چون و چرا بجا لائے؟"

مسرور نے جواب دیا:۔

"اگر امیر المومنین مجھے حکم دیں کہ میں اپنا سر کاٹ کر ان کے آگے پھینک دوں تو میں ایسا کرنے کے لئے بھی تیار ہوں۔"

خلیفہ نے کہا:۔

"ہاں مجھے تجھ سے یہی امید ہے۔ اچھا اب تو جعفر کے پاس جا اور اس کا سر کاٹ کر میرے سامنے حاضر کر"!

مسرور ہارون کا یہ حکم سن کر حیرت زدہ رہ گیا اور بالکل اسی طرح کھڑا رہا جب ہارون نے دیکھا تو وہ برہم ہو گیا اور کہا:۔

"جو شخص میرے احکام کی بجا آوری میں دیر کریگا۔ وہ اسی وقت قتل کر دیا جائے گا"

اب مسرور کے لئے کوئی چارہ نہ تھا۔ وہ باہر نکلا۔ چونکہ معاملہ اہم تھا لہٰذا ہارون نے حماد بن سالم، ابن عصمہ اور ہرشمہ بن العین کو حکم دیا کہ وہ بھی مسرور کے ساتھ جائیں اور سوڈان کے حبشیوں میں سے چالیس سوار اپنے ہمراہ لے جائیں۔ چنانچہ مسرور اس جماعت کے ساتھ جعفر کے خیمہ کی طرف روانہ ہوا۔ اور سب کو باہر کھڑا کر کے تنہا خیمہ کے اندر داخل ہوا۔ اس وقت یہاں مختصر سی محفل جمی ہوئی تھی اور ابو ذکار عود پر یہ اشعار گا رہا تھا۔

"تو بے پرواہ نہ ہو، ہر جوان کی موت آئے گی رات کو آئے یا صبح کو۔"

جب جعفر نے مسرور کو دیکھا تو اس نے کہا:۔

"مسرور تمہارے آنے سے خوشی ہوئی۔ لیکن بلا اجازت چلے آنے کا افسوس ہے۔"

مسرور بولا:۔

"میں جس کام کے لئے آیا ہوں۔ وہ اس بھی زیادہ قابل
افسوس ہے۔ امیر المومنین نے آپ کے قتل کا حکم دیا ہے آپ
تیار ہو جایئے!"

یہ سن کر جعفر مسرور کے قدموں پر گر پڑا اور کہنے لگا:-

"امیر المومنین نے نبیذ کی حالت میں مذاقاً حکم دیدیا ہوگا۔
تم واپس چلے جاؤ"

لیکن مسرور نے اپنی بات پر اصرار کیا۔ پھر جعفر نے اس سے التجا کی کہ مجھے تھوڑی سی مہلت دے دو۔ میں اندرون خانہ جاکر جو وصیت کرنا ہے کر آؤں۔ لیکن مسرور نے یہ درخواست نامنظور کر دی اور کہا:-

"جو وصیت کرنی ہے یہیں کر لیجئے۔ یہاں سے کہیں جانے
کی اجازت نہیں مل سکتی"

چنانچہ جعفر نے اسی وقت کلمہ پڑھا اور حاضرین کو مخاطب کر کے کہا:-

"تم گواہ رہو۔ میرے جس قدر لونڈی غلام ہیں وہ
آج سے فی سبیل اللہ آزاد ہیں۔ اور میرا جس قدر مال ہے وہ
مساکین پر وقف ہے۔ جس قدر امانتیں اور قرضہ لوگوں پر ہے میں
اس کو معاف کرتا ہوں"

حاضرین کا اس وقت برا حال تھا۔ سب زار و زار رو رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہرثمہ بن العین نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور جعفر کا ہاتھ پکڑ کر کہا:-

"او فاسق اٹھ کھڑا"۔

اتنے میں ہارون رشید کا ایک خادم آیا اور کہا جلد چلو۔ امیر المومنین بلاتے ہیں۔ چنانچہ وہ جعفر کو ایک خیمہ سے دوسرے خیمہ تک گھسیٹتے ہوئے بری طرح لے گئے اور اسی جگہ مسرور نے ایک ہاتھ تلوار کا جعفر کی گردن پر ایسا مارا کہ سر تن سے جدا ہو گیا۔

چھتیس یا پینتیس برس کی عمر میں سترہ برس سات مہینے گیارہ دن وزارت کر کے محرم کی آخری شنبہ کی رات ۱۸۷ھ مطابق ۲۹ جنوری ۸۰۳ء میں نہایت حسرت و بے کسی کی حالت میں یہ بلند اقبال وزیر دنیا سے رخصت ہوا۔

جب مسرور جعفر کو قتل کر چکا تو خون میں رنگی ہوئی تلوار لئے ہوئے ہارون کے سامنے حاضر ہوا اور جعفر کا سر جس سے خون کے فوارے جاری تھے ایک طشت میں رکھ کر پیش کیا۔ چہرہ پر نظر پڑتے ہی ہارون چیخیں مار کر رونے لگا۔

اس کے بعد ہارون نے حکم دیا کہ جعفر کی نعش کے تین ٹکڑے کر کے ایک ایک ٹکڑا بغداد کے پلوں پر لٹکا دیا جائے اور سر علیحدہ "جسر اوسط (درمیانی پل) پر آویزاں کر دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ عرصہ دراز تک سر اور نعش کے ٹکڑے بغداد کے پلوں پر لٹکتے رہے۔

جعفر کے قتل ہوتے ہی ہارون نے بغداد رقہ اور ملک کے تمام علاقوں میں قاصد روانہ کر دیئے۔ ہر قاصد کے پاس علاقہ کے حاکم کے نام

ایک پروانہ تھا، جس میں برامکہ ان کے ساتھیوں اور مددگاروں کو گرفتار کرنے اور ان کی تمام املاک ضبط کرنے کا حکم درج تھا۔ چنانچہ اس حکم پر پوری اور سختی کے ساتھ عمل کیا گیا۔ برامکہ کا کل مال واسباب، نقدی اور جاگیروں کی طرح ضبطی سے تین کروڑ چھ لاکھ چھہتر ہزار درہم وصول ہوئے منجملہ اس کے ایک کروڑ بیس لاکھ درہم کی رقم صرف خراج کی آمدنی تھی۔ جو برامکہ کی جاگیروں سے وصول ہو کر داخل خزانہ ہوئی۔ یحییٰ بن خالد اور اس کے بیٹوں فضل اور موسیٰ اور دیگر افراد خاندان کو گرفتار کر کے جیل میں ڈلوا دیا گیا، پہلے پہل ان کے نوکروں کو انہی کے پاس رہنے کی اجازت مل گئی تھی۔ اور ان پر کوئی سختی بھی نہ کی جاتی تھی۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد یہ تمام آسانیاں چھین لی گئیں اور دوسرے عام قیدیوں کی طرح ان پر بھی سختیاں کی جانے لگیں۔ اس کا سبب بعض مورخین یہ بیان کرتے ہیں۔ کہ ہارون رشید کا خیال تھا کہ برامکہ کے پاس ابھی تک بہت سا مال ہے جو انہوں نے کہیں چھپا رکھا ہے۔ وہ یہ مال حاصل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن جب برامکہ سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ انہوں نے ایک درہم بھی کہیں نہیں چھپایا۔ اس پر ہارون رشید نے حکم دیا۔ کہ برامکہ کے راحت وآرام کے تمام اسباب چھین کر ان کی قید کو بامشقت کر دیا جائے، ان پر ہر قسم کی شدید سے شدید سختی ہونے لگی۔ یہاں تک یہ تمام قیدی جیلخانہ ہی میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گئے۔

جعفر کا قتل اور یحییٰ اور اس کے بیٹوں کی گرفتاری کوئی ایسا واقعہ

نہ تھا۔ جس کا اثر نہ پڑتا۔ اس واقعہ سے ہر گھر میں کہرام مچ گیا۔ کوئی آنکھ ایسی نہ تھی۔ جو اشک بار نہ ہو۔ ہارون کو جب اس کی خبر ہوئی تو انسداد فتنہ کی غرض سے اُس نے تمام بغداد میں منادی کرادی کہ کوئی شخص برامکہ کا تذکرہ نہ کرے اور نہ کوئی شاعر جعفر کا مرثیہ لکھے۔ خلاف ورزی کرنے والے کو سزا دی جائے گی۔

عورتوں کے بین و ماتم کے علاوہ لوگ بازاروں اور گلیوں میں پرچے لکھ لکھ کر لگاتے تھے۔ جس میں برامکہ کی مدح ہوتی تھی۔ اس پر بغداد کی پولیس کے افسر اعلیٰ کو حکم دیا گیا۔ کہ ایسے اشتعال انگیز پرچے ضبط کر کے تلف کر دیئے جائیں۔

لیکن ان سختیوں کے باوجود شاعروں نے پر درد مرثیے لکھے اور کثرت سے لکھے۔ یہ مرثیے نہایت غم انگیز اور واقعات کی تصویریں ہیں۔ سیف بن ابراہیم نے لکھا:۔

"برمکیوں کے بعد فیاضی کا ستارہ ٹوٹ پڑا
اور سخاوت کے ہاتھ یخ ہو گئے۔ اور بخشش کے دریا
خشک ہو گئے۔ خاندان برمک کے وہ ستارے جن سے
اونٹ چلانے والے راستہ پہچانتے تھے۔ غریب
ہو گئے"

اشجع سلمی لکھتا ہے:۔

"آل برمک دنیا سے منہ موڑ گئے۔

اب لوگ پیدا ہوا کریں گے مگر (فضائل میں) ان سے بڑھ کر نہیں ہو سکتے۔

برمکیوں کا سارا زمانہ تمام عالم کے لئے گویا عید کا دن تھا۔

برمکیوں کو زمانہ نے ہم سے اس طرح چھین لیا ہے کہ اب ان سے ملنے کا کوئی موقعہ نہیں رہا۔

یہ خاندان صاحب خیر تھا

(اب ان کے اٹھ جانے سے)، ساری بھلائیاں

دنیا سے اٹھ گئیں۔

عمر ابو النصر لکھتے ہیں:۔

"بے شک ہارون رشید برامکہ کو تباہ و برباد کرنے اور ان کے ساتھیوں اور دوستوں کو سخت سزائیں دینے میں کامیاب ہو گیا۔ لیکن وہ تاریخ کے صفحات سے ان کا نام اور ان کے عظیم الشان کارنامے مٹانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ برامکہ قید خانوں میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گئے۔ جعفر کا سر مدت دراز تک بغداد کے ایک پل پر لٹکا رہا لیکن برامکہ کے نام اب بھی تاریخ کے صفحات، شعروں کے دواوین اور ادب کی کتابوں میں زندہ ہیں اور

ہمیشہ زندہ رہیں گے،، ٭

ماخذ

البرامکہ — عبدالرزاق کانپوری

مسلمانوں کی سیاسی تاریخ جلد دوم — ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن

الہارون — عمر ابوالنصر

ہارون رشید اور اس کا عہد — رئیس احمد جعفری

قیامت آفرین حادثہ

شہادتِ فاروق اعظم رضؓ

حضرت عمر رضؓ کا اسم گرامی تاریخ اسلام میں یادگار ہے اور ہمیشہ یادگار رہے گا۔ انہوں نے عدل و انصاف بے لوثی، دانشمندی اور صدقِ نیت سے مسلمانوں کی خدمت کی اور ایک زندۂ جاوید مثال قائم کر دی۔ وہ خدا اور اسلام کے لئے وقف ہو گئے تھے۔ اللہ نے ان کے ذریعہ اسلام کو ایسی عزت بخشی کہ اس کا علم دنیا کے گوشہ گوشہ میں لہرانے لگا۔ حضرت عمر رضؓ کی شہادت ایک قیامت آفرین حادثہ تھا۔ اگر وہ اس وقت شہید نہ کئے جاتے تو شاید تاریخِ عالمِ اسلام کسی اور طرح سے لکھی جاتی۔

۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ بدھ کا دن تھا۔ امیر المومنین حضرت عمر رضؓ

حسب معمول سورج طلوع ہونے سے پہلے نماز پڑھانے کے لئے کاشانۂ خلافت سے روانہ ہوئے۔ انہوں نے مسجد میں چند لوگ مقرر کر رکھے تھے جو ہر نماز سے قبل صفیں درست کیا کرتے تھے۔ جب صفیں درست ہوگئیں تو حضرت عمرؓ آئے اور اذان دی گئی اس کے بعد حضرت عمرؓ امامت کے لئے آگے بڑھے۔ اس وقت صبح کی سفیدی پوری طرح نمایاں نہ ہوئی تھی۔ ابھی حضرت عمرؓ نے نماز کی تکبیر شروع ہی کی تھی کہ ایک شخص اچانک ان کے سامنے آیا اور ایک خنجر نکال کر ان پر پانچ چھ وار کئے جن میں سے ایک زیرِ ناف پڑا۔ حضرت عمرؓ فوراً نمازیوں کی طرف...... مخاطب ہوئے اور ہاتھ پھیلا کر کہا:۔

"پکڑو اس کتے کو اس نے مجھے قتل کیا ہے۔"

قاتل جناب مغیرہ بن شعبہ کا غلام ابولولو فیروز تھا۔ یہ ایران کا باشندہ تھا۔ جو نہاوند کی جنگ میں گرفتار ہو کر جناب مغیرہ بن شعبہ کی غلامی میں آگیا تھا۔ یہ بدبخت حضرت عمرؓ کو شہید کرنے کی نیت سے منہ اندھیرے مسجد میں آگیا تھا۔ اس نے اپنی چادر میں ایک خنجر چھپا رکھا تھا۔ جس کا دستہ بیچ میں تھا۔ اور دونوں طرف بڑی تیز دھاؤں کے پھل تھے۔ وہ مسجد کے ایک گوشے میں چھپ گیا تھا۔ جب نماز شروع ہوئی تو وار کر دیا۔ اور پھر اپنی جان بچانے کے لئے بھاگا۔ نمازیوں میں ایک ہلچل اور بے چینی پیدا ہوگئی۔ بہت سے لوگ اسے پکڑنے دوڑے لیکن فیروز نے ان کا ہاتھ اپنی کمر تک نہ پہنچنے دیا اور دائیں بائیں وار کرنے لگا۔ یہانتک کہ بہت سے آدمی زخمی ہوگئے۔ ان میں سے ایک قول کے مطابق چھ۔ اور دوسرے قول کے مطابق بارہ جاں بر

نہ ہو سکے۔ آخر ایک شخص اس کے پیچھے سے آیا اور اپنی چادر اس پر ڈال کر اُسے زمین پر گرا دیا۔ فیروز کو یقین ہو گیا کہ وہ اس وقت اور اسی جگہ قتل کر دیا جائے گا۔ چنانچہ جس خنجر سے اس نے حضرت عمرؓ کو زخمی کیا تھا اسی خنجر سے اپنا کام تمام کر لیا۔

ایک وار حضرت عمرؓ کے زیر ناف پڑا تھا۔ جس سے آنتیں کٹ گئیں۔ اور یہ مہلک ثابت ہُوا۔ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ زخم لگنے کے بعد کھڑے نہ رہ سکے اور فرش پر گر پڑے۔ اور اپنی جگہ نماز پڑھانے کے لئے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو کھڑا کر دیا۔ حضرت ابن عوفؓ نے قرآن کریم کی دو مختصر ترین سورتوں سورہ العصر اور سورۃ الکوثر ۔ میں لوگوں کو نماز پڑھائی۔

لوگ حضرت عمرؓ کو اٹھا کر کاشانۂ خلافت میں لے گئے اور دوسرے زخمیوں کو بھی ان کے گھروں میں پہنچایا گیا۔ ہر شخص کی زبان پر اس المناک حادثہ کا ذکر تھا جو ان کی آنکھوں کے سامنے پیش آیا تھا۔ یہ خبر بجلی کی سی سرعت کے ساتھ تمام شہر میں پھیل گئی۔ سونے والے جاگ اٹھے۔ اور .. سب کے سب۔ مرد عورتیں، بچے ۔ دوڑے کہ اس قیامت آفرین حادثہ کی تفصیلات معلوم کریں۔

ادھر حضرت عمرؓ پر غشی طاری تھی۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ جب دن نکلا تو ان کو ہوش آیا۔ اور انہوں نے ان اصحاب سے جو وہاں موجود تھے پوچھا:۔

لوگوں نے نماز پڑھ لی۔

جواب ملا:

"جی ہاں"

بولے:-

"جس نے نماز چھوڑی وہ مسلمان نہیں ہے"

اس کے بعد انہوں نے دریافت کیا کہ ان پر وار کس نے کیا ہے جب انہیں پتہ چلا کہ ان پر قاتلانہ حملہ ابولولؤ فیروز نے کیا ہے اور دوسرے چند آدمیوں کو زخمی کر کے خودکشی کر لی ہے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا:-

اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میرا قاتل کسی ایسے شخص کو نہیں بنایا جو اس کے حضور اپنے کئے ہوئے سجدہ کو میرے لئے حجت بناتا۔ الحمدللہ کہ مجھ کو کسی عرب نے قتل نہیں کیا"

اسی دوران میں ایک طبیب کی طرف آدمی بھیجا گیا۔ وہ آ گیا اس نے نبیذ پلائی۔ وہ نبیذ ناف کے نیچے والے زخم سے نکلی۔ تو بالکل خون معلوم ہوتی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک انصاری طبیب کو بلوایا۔ پھر بنو معاویہ کا ایک اور طبیب آیا۔ اس نے حضرت عمرؓ کو دودھ پلایا۔ لیکن جوں کا توں زخم سے نکل گیا۔ اور اس کے رنگ میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔

اس پر طبیب نے کہا:-

"امیرالمومنین اللہ کو یاد کیجئے۔"

مطلب یہ تھا کہ بچ جانے کا کوئی امکان نہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا:-

"بنو معاویہ کے بھائی تم نے سچ کہا۔ اگر اس کے سوا تم کوئی اور بات

کہتے تو جھوٹ بولتے ہو۔"

جب حاضرین نے طبیب کی یہ بات سنی تو ان پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اور وہ رونے لگے۔ حضرت عمرؓ اس پر بولے:۔

"ہم پر آنسو نہ بہاؤ۔ جسے رونا ہو یہاں سے چلا جائے کیا تم نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے نہیں سُنا کہ رشتہ داروں کے رونے سے میّت کو عذاب ہوتا ہے۔"

ادھر یہ ہو رہا تھا۔ ادھر مسلمان مسجد میں اور اس کے آس پاس ٹولیاں بنائے ایک دوسرے سے یہ پوچھ رہے تھے کہ ابو لؤلؤ نے یہ ذلیل حرکت کیوں کی؟ کہا جاتا ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ کے اس غلام نے کچھ عرصہ پہلے حضرت عمرؓ سے اپنے آقا کے بھاری محصول مقرر کرنے کی شکایت کی تھی شکایت بے جا تھی۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے توجہ نہ کی۔ اس پر ابو لؤلؤ ناراض ہو گیا۔ مؤرخین نے اور روایات بھی بیان کی ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کی شہادت ایک منظم سازش کا نتیجہ تھی، جس کا پروگرام اس سانحہ سے کچھ دن پہلے بنایا گیا تھا۔

بہر حال لوگ ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے کہ ابو لؤلؤ نے یہ ذلیل حرکت کیوں کی اور حضرت عمرؓ کاشانۂ خلافت میں اپنے لبستر پر لیٹے تھے، طبیب انہیں سفرِ آخرت کی تیاری کا مشورہ دے رہے تھے اور سربرآوردہ مسلمان اس ناگہانی مصیبت کے بارے میں ان سے گفتگو کر رہے

تھے جو مسلمانوں کے اس عظمت مآب خلیفہ کی وفات کے بعد خطرناک نتائج کا سبب بن سکتی تھی۔ حضرت عمر رضؓ کے بعد خلیفہ کون ہو؟ اس مسئلہ میں ان سربرآوردہ مسلمان بزرگوں کے دماغ الجھے ہوئے تھے۔ خود حضرت عمر رضؓ نے خلافت کے معاملہ پر مدتوں غور کیا تھا اور وہ اکثر سوچا کرتے تھے۔ بار بار لوگوں نے ان کو اس حالت میں دیکھا کہ سب سے الگ متفکر بیٹھے ہیں اور سوچ رہے ہیں، دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ خلافت کے باب میں غلطاں و پیچاں ہیں۔ مدت کے غور و فکر پر بھی ان کے انتخاب کی نظر کسی شخص پر نہ جمتی تھی۔ مگر اس حالت میں کوئی فیصلہ ضروری تھا۔ آخر سوچ بچار کے بعد خلافت کو چھ بزرگوں حضرت عثمان رضؓ بن عفان، حضرت علی رضؓ بن ابی طالب، حضرت زبیر رضؓ بن عوام حضرت طلحہ رضؓ بن عبید اللہ، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ کی مجلس مشاورت پر منحصر کر دیا، اور فرمایا کہ ان چھ شخصوں میں جس کی نسبت کثرتِ رائے ہو وہ خلیفہ منتخب کر لیا جائے۔

حضرت عمر رضؓ کو قوم اور ملک کی بہبودی کا جو خیال تھا۔ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ عین کرب و تکلیف کی حالت میں جہاں تک ان کی قوت اور حواس نے مدد دی۔ اسی دھن میں مصروف رہے۔ لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ جو شخص خلیفہ منتخب ہو اس کو میں وصیت کرتا ہوں کہ پانچ فرقوں کے حقوق کا بہت خیال رکھے۔ مہاجرین، انصار، اعراب وہ اہل عرب جو اور شہروں میں جا کر آباد ہو گئے ہیں، اہل ذمہ (یعنی عیسائی، یہودی، پارسی جو اسلام کی رعایا تھے)، پھر ہر ایک کے حقوق کی تشریح کی۔

ملت کے کام سے فراغت ہو چکی تو اپنی ذات کی طرف متوجہ ہوئے اپنے بیٹے حضرت عبداللہؓ کو بلا کر پوچھا کہ مجھ پر کس قدر قرض ہے؟ معلوم ہوا چھیاسی ہزار درہم۔ فرمایا کہ میرے متروکہ سے ادا ہو سکے تو بہتر، ورنہ خاندان عدی سے درخواست کرنا۔ اگر وہ بھی پورا نہ کر سکیں تو کل قریش سے لیکن قریش کے علاوہ اوروں کو تکلیف نہ دینا۔

حضرت عمرؓ کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ وہ اپنے دو محترم رفیقوں حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہم پہلو حضرت عائشہؓ ———————— کے حجرہ میں دفن کئے جائیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا:-

"عبداللہؓ ام المومنین عائشہؓ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو عمرؓ آپ کی خدمت میں سلام عرض کرتا ہے۔ دیکھو امیر المومنین نہ کہنا کہ اب میں مسلمانوں کا امیر نہیں رہا۔ اور مستدعی ہے آپ اس کو اس کے دو محترم رفیقوں کے پہلو ...... میں دفن ہونے کی اجازت عطا فرما دیجئے۔"

حضرت عبداللہ رضؓ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ رو رہی تھیں۔ انہوں نے سلام کے بعد کہا:-

"عمرؓ بن خطاب آپ سے اپنے دو محترم رفیقوں کے پہلو میں دفن ہونے کی اجازت چاہتے ہیں۔"

حضرت عائشہؓ نے فرمایا:-

"خدا گواہ ہے یہ جگہ میں نے اپنے لئے رکھی تھی۔ لیکن آج میں انہیں

اپنے اوپر ترجیح دیتی ہوں۔"

حضرت عبداللہؓ واپس آئے اور بتایا کہ حضرت عائشہؓ نے اجازت دے دی ہے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا:۔

"مجھے اس آرام گاہ سے بڑھ کر کوئی چیز عزیز نہیں ہے۔ دیکھو عبداللہ بن عمرؓ جب میں مر جاؤں تو میرا جنازہ لے کر جانا اور ام المومنینؓ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر کہنا، عمرؓ بن الخطاب اجازت چاہتا ہے اگر وہ اجازت دیدیں تو جنازہ اندر لے جانا ورنہ مجھے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دینا۔"

حضرت عمرؓ کو یہ ڈر تھا کہ ان کے عزیز و اقارب ان کے مرنے کے بعد تجہیز و تکفین میں غلو سے کام لیں گے۔ اس لئے وصیت کر دی کہ نہ انہیں مشک سے نہلایا جائے اور نہ مشک ان کے قریب لایا جائے۔ اپنے بیٹے سے فرمایا:۔

"مجھے اوسط درجہ کا کفن دینا۔ کیونکہ اگر اللہ کے نزدیک مجھ میں کوئی بھلائی ہوگی تو وہ اسے اچھے لباس سے بدل دے گا۔ اگر میں اس کے برعکس ہوا تو وہ مجھ سے چھین لے گا۔ میری قبر بھی معمولی ہونی چاہیئے۔ عورتیں میرے جنازہ کے ساتھ نہ چلیں اور میری تعریف میں وہ باتیں نہ کہی جائیں جو مجھ میں

نہیں ہیں۔ اس لئے کہ اللہ مجھے زیادہ جانتا ہے
جب تم میرا جنازہ لے کر نکلو، تو تیز تیز قدم چلنا کیونکہ
اگر مجھ میں اللہ کے نزدیک کوئی بھلائی ہے تو تم مجھے
اس جگہ جلدی پہنچا دو گے جو میرے لئے زیادہ بہتر ہے
اور اگر میں اس کے برعکس ہوں تو تم اپنے کندھوں
سے وہ برائی جلدی اتار پھینکو گے، جو تم اٹھائے
ہوئے ہو۔"

جب حضرت عمرؓ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی تو میت کو غسل دینے کے بعد تین کپڑوں میں دفنایا اور مسجد میں لایا گیا۔ حضرت صہیبؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ اس کے بعد لوگوں نے میّت اٹھائی اور حضرت عائشہؓ کے دروازہ پر آکر کھڑے ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا:۔

"عمرؓ بن الخطاب اپنے محترم رفیقوں کے ساتھ دفن ہونے کی اجازت چاہتے ہیں۔"

حضرت عائشہؓ نے جواب دیا۔"

"بے کھٹکے چلے آؤ۔"

لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ میں داخل ہوئے اور میت کو اس آخری آرام گاہ میں اتار دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے میّت کو قبر میں رکھا۔ ان کے ساتھ پانچ ارکان شوریٰ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت زبیرؓ بھی قبر میں

میں اُترے ۔حضرت طلحہؓ وقت پر نہیں پہنچ سکے تھے ۔ان بزرگوں نے میت کو قبر میں اتار کر قبر پاٹ دی ۔باقی لوگ بھی قریب ہی مسجد نبوی میں جمع تھے رنج و غم اور صدمہ کے مارے ان کا بُرا حال تھا ۔ اکثر ایسے بھی تھے جن کے آنسو نہیں رکتے تھے۔

حضرت عمرؓ کی وفات پر حضرت طلحہؓ نے کہا :۔

"اہل عرب کا کوئی گھر، خواہ وہ شہر میں ہو یا دیہات میں، ایسا نہیں جس کے دین و دنیا میں عمرؓ کے قتل سے کوئی کمی پیدا نہ ہو گئی"

حضرت امام حسنؓ نے فرمایا

"جس گھرانے میں عمرؓ کی کمی محسوس نہ کی گئی ہو۔ وہ گھرانا بُرا گھرانا ہے"

حضرت علیؓ تشریف لائے تو حضرت عمرؓ کی میّت سے ہٹاتے ہوئے فرمایا:۔

"ابو حفص! اللہ آپ کو اپنی رحمت سے نوازے، میرے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ سے زیادہ کوئی محبوب نہیں کہ میں اس کے نامۂ اعمال کے ساتھ اللہ سے ملوں"

حضرت عمرؓ نے اپنی ساری زندگی اللہ اور مسلمانوں کی خدمت کے لئے وقف کر دی تھی ۔جس وقت حضرت عمرؓ خلافت کی ذمہ داری سنبھالی

ہے تو مسلمانوں کی حکومت جزیرہ نمائے عرب کے علاوہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے کی فتوحات تک محدود تھی۔ لیکن وہ جب اس دنیا سے رخصت ہوئے ہیں تو ایران، عراق، شام اور مصر اسلامی سلطنت میں شامل ہو چکے تھے۔ مگر اس کے باوجود حضرت عمرؓ کے زہد، ان کی سادہ زندگی اور ان کے اپنی جان پر ستم جھیلنے میں کوئی فرق نہ آیا۔ فتح و کامرانی اور اقتدار نے انہیں اپنی زندگی کی عام روش سے نہیں بھٹکایا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے دستور عمل کا سب سے زریں صفحہ اتباع سنت تھا۔

ماخذ

الفاروق — مولانا شبلی نعمانی

عمر فاروق اعظم — محمد حسین ہیکل

سنگ دلی اور عفو و درگذر

صلاح الدین ایوبی کا دشمنوں سے حسنِ سلوک

صلیبی جنگوں کا شمار نہ صرف دنیائے اسلام بلکہ اس زمانہ کے مشرق و مغرب کے نہایت اہم واقعات میں ہوتا ہے۔ ان کا سلسلہ دو صدیوں تک قائم رہا اور سارا عالمِ اسلام اس سے متاثر ہُوا۔ اس سلسلہ میں دو واقعات درج ذیل ہیں۔ ایک ظلم و ستم اور انتقام کا دوسرا رحم و شفقت اور درگذر کا۔]

جب گیارھویں صدی کے آخر میں مسیحی دنیا کے عیسائی شام میں داخل ہوئے کہ اسے مسلمانوں سے چھین لیں، اس وقت یہ سرزمین مختلف حصوں میں منقسم اور فوجی لحاظ سے بہت کمزور تھی۔ کئی حصوں پر مقامی عرب حکمران تھے۔ شمال میں سلجوقی ترک بہت طاقتور تھے اور جنوب میں مصر کے فاطمیوں کا

تسلّط تھا۔ شام کے سلجوقی اگرچہ ایک ہی خاندان کی شاخ سے تعلق رکھتے تھے مگر وہ ایک سردار کے ماتحت نہیں تھے۔ مختصراً یوں سمجھئے کہ تقریباً ہر بڑے شہر کا اپنا سلجوقی یا عرب حکمران تھا۔ شام میں سب سے پہلے ۱۰۷۰ء میں سلجوقیوں کی پہلی جماعت داخل ہوئی۔ اسی سال سلطان الپ ارسلان نے حلب کے عرب حکمران کو اپنے زیر نگین کیا اور اس کے ایک سپہ سالار نے بیت المقدس کو فاطمیوں کے قبضہ سے چھین لیا۔ پانچ سال کے بعد اس سپہ سالار نے دمشق کو بھی فتح کر لیا۔ لیکن ۱۰۹۸ء میں فاطمیوں کا ایک طاقتور بحری بیڑا نہ صرف بیت المقدس بلکہ عسقلان، عکہ، ثور اور جبال پر بھی قابض ہو گیا۔

اس مختصر سے پس منظر کے بعد اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ صلیبی جنگوں کا آغاز کیوں اور کیسے ہوا؟ اسلامی سلطنت کے قیام ہی سے عیسائی باشندوں کو تمام مراعات حاصل تھیں۔ انہیں مکمل مذہبی آزادی تھی۔ اور ان کے دیوانی حقوق کی پوری حفاظت کی جاتی تھی۔ وہ سلطنت کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بغیر کسی روک ٹوک کے سفر کر سکتے تھے۔ دوسرے ممالک میں اپنے ہم مذہبوں اور ہم عقیدہ لوگوں سے رابطہ رکھ سکتے تھے۔ زمین و جائداد کے سلسلہ میں ان پر وہی قانون عائد کئے جاتے تھے۔ جو مسلمانوں پر عائد ہوتے تھے۔ قابل و لائق عیسائی بڑے بڑے عہدوں پر پہنچ سکتے تھے۔ کلیسا اور خانقاہیں ہر جگہ موجود تھیں۔ اور عیسائی زائرین کو بلا روک بیت المقدس میں آنے کی اجازت تھی۔ اس شہر کا، جو اسلام اور عیسائیوں دونوں کے

کے نزدیک مقدس تھا۔ ایک حصہ پادریوں اور ان کے حواریوں کے لئے مخصوص تھا۔ جب ۹۶۹ء میں فلسطین اور شام فاطمیوں کے قبضہ میں آئے تو حکومت کی یہ تبدیلی عیسائیوں کے حق میں اور بھی مفید ثابت ہوئی۔ اس لئے کہ فاطمی خلفاء عیسائیوں سے تجارت کی حوصلہ افزائی اور ان کی سرپرستی کرتے تھے۔ مگر ان تمام باتوں کے باوجود کٹر اور متعصب عیسائی مطمئن نہیں تھے۔ وہ بیت المقدس میں مسلمانوں کی موجودگی کو حقارت کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ دور دراز سے زائرین مسلمانوں کی حفاظت میں بیت المقدس آتے۔ مسلمانوں کی مہمان نوازی سے لطف اٹھاتے مگر نفرت اور تلخی لے کر واپس جاتے تھے۔ دسویں صدی کے آخر میں یہ خیال عام ہوگیا تھا۔ کہ قیامت قریب ہے۔ اس کے پیش نظر مسیحی دنیا سے ہزاروں زائرین ارض مقدس میں آنا شروع ہوئے اور گیارھویں صدی میں ان کی تعداد میں بے شمار اضافہ ہوگیا۔ اسی زمانہ میں اتفاق ایسا ہوا کہ فلسطین ترکمانوں کے ایک قبیلہ کے قبضہ میں آگیا۔ اجنبیوں کی یہ بے شمار تعداد ان کا خوفناک جوش و خروش ان کٹر ترکمانوں کی سمجھ میں نہ آسکا۔ اور کبھی کبھی ایسا ہوا کہ ان زائرین میں سے بعض لوٹے اور مارے گئے۔ لوٹ مار کے ان چند واقعات کو بڑھا چڑھا کر یورپ میں پھیلایا گیا۔

لیکن صلیبی جنگوں کی ایک بڑی وجہ سیاسی تھی۔ مسلمان عیسائیوں پر ہر جگہ غلبہ پا رہے تھے۔ نہ صرف شام اور ایشیائے کوچک میں بلکہ اندلس میں بھی ان کا منتشر شیرازہ یکجا ہو رہا تھا۔ اور انہوں نے عیسائیوں کو ایک

زبردست شکست دی تھی - پھر یورپ میں ٹیوٹانک قبائل کے فوجی عروج کا بھی اس میں بڑا حصّہ ہے - انہوں نے یورپ کا نقشہ بدل دیا تھا۔ عیسائی مسلمانوں سے انتقام لینے کے لئے مضطرب و بے چین تھے - مگر صلیبی جنگوں کے شروع ہونے کی فوری وجہ وہ اپیل ہے جو شہنشاہ الیکزیس نے ۱۰۹۴ء میں پوپ اربن ثانی سے کی تھی - اس شہنشاہ کے کچھ مقبوضات ایشیاء میں تھے جنہیں سلجوقیوں نے پامال کر دیا تھا۔ اور اب وہ قسطنطنیہ کے لئے خطرہ بن رہے تھے - ۲۶ نومبر ۱۰۹۵ء کو پوپ نے جنوبی مشرقی فرانس کے مقام کلیر مانٹ میں ایک خطبہ دیا جس کے دوران میں اس نے کہا :-

”اے یسوع مسیحؑ کے فرزند! بیت المقدس کا رُخ
کرو - اور اسے شیطانی نسل سے چھین کر اس پر قبضہ
کر لو!“

اس خطبہ کا بے حد اثر ہوا اور حاضرین میں ایک مجنونانہ جوش پیدا ہو گیا - اور سب چلا اٹھے خدا کی مرضی یہی ہے - خدا کی مرضی یہی ہے اور سرخ کپڑے کی صلیبیں اپنے سینوں پر لگا کر اس عظیم الشان مہم کے لئے تیار ہو گئے۔

اب یہ سب لوگ مذہبی جوش اور خدا اور اس کے بیٹے کو خوش کرنے کے لئے نہیں آئے تھے - ان کے بہت سے سردار جن میں سے بوہمنڈ قابل ذکر ہے - اس موقعہ کی تاک میں تھے کہ اپنے لئے کچھ مقبوضات حاصل

کر لے۔ پیپیا، وینس اور جنیوا کے تاجر کاروباری نقطۂ نظر سے آئے تھے رومان پسند، بے چین، مضطرب اور قسمت آزما نوجوانوں نے کسی اور ہی مقصد کے لئے یہ سفر اختیار کیا تھا۔ انہوں نے مشرقی شرابوں کی لذت اور یونانی لڑکیوں کے طلسمی حسن و جمال کے بہت سے قصے سُن رکھے تھے۔ اس فوج میں بہت سے سزا یافتہ قیدی بھی شامل تھے۔ جن کو جیل خانوں سے رہا کر دیا گیا تھا۔ فرانس، لورین، اٹلی اور صقلیہ کے اکثر باشندوں نے اقتصادی بدحالی سے تنگ آ کر فارغ البالی کی تلاش میں ادھر کا رخ کیا تھا۔

اولین صلیبی سپاہیوں کے دستے پہلے قسطنطنیہ میں جمع ہوئے اور وہاں سے شام پہنچے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے، اس وقت یہ ملک کئی سلطنتوں میں بٹا ہوا تھا اور مسلمانوں کی متحد قوت موجود نہیں تھی عیسائیوں نے کئی شہروں کو فتح کیا۔ اور ان شہروں کو فتح کرنے میں انہوں نے جس ظلم و ستم، سنگ دلی اور بربریت کا ثبوت دیا ہے۔ اس کو پڑھ کر انسانیت کی آنکھیں جھک جاتی ہیں۔ انہوں نے قتل و غارت، بے حرمتی اور غارت گری میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ ایک بار گیارہ ہزار ترکوں کے سر جو ایک معاوے میں ہلاک ہوئے تھے کاٹ لئے گئے۔ بعض کی بطور فتح کی نشانیوں کے نمائش کی گئی۔ بعض کو کھونٹیوں پر لٹکایا گیا۔ اور باقیوں کو شہر کے اندر جس کا وہ محاصرہ کئے ہوئے تھے پھینک دیا گیا۔ ایک دوسرے موقعہ پر انہوں نے مسلمانوں کی لاشوں کو قبروں سے کھینچ کر روتے ہوئے شہریوں کے سامنے ڈال دیا۔ نہ انہوں نے بوڑھوں کے بڑھاپے، نہ نوجوانوں کی بے بسی اور نہ جنس کمزور کی

خوبصورتی پر ترس کھایا۔

۱۰۹۹ء میں صلیبی مجاہدین نے بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا۔ اس سیلاب کو روکنے کی مسلمانوں میں طاقت نہیں تھی۔ بیالیس روز کے محاصرہ کے بعد بیت المقدس پر عیسائیوں کا قبضہ ہو گیا۔ اور وہ کئی ہفتوں تک اس مقدس شہر میں قتل عام کرتے رہے۔ صرف مسجد اقصیٰ میں ستر ہزار مسلمان قتل کئے گئے۔ ان میں بڑی تعداد مختلف ملکوں کے تارک الدنیا علما و مشائخ کی تھی۔ جو ہجرت کر کے اس مقدس مسجد میں مشغول عبادت تھے، مسجد اقصیٰ کا تمام طلائی و نقرئی سامان جو نہایت بیش قیمت تھا لوٹ لیا گیا۔

بیت المقدس فتح کرنے کے بعد صلیبی مجاہدین نے جس وحشت و درندگی کا ثبوت دیا اس کی ملامت یورپ کے منصف مزاج مورخین نے بھی کی ہے۔ فرانس کا ایک مؤرخ میشو لکھتا ہے:

> "بیت المقدس کی فتح میں صلیبیوں نے ایسے اندھے تعصب کا ثبوت دیا ہے جس کی مثال گذشتہ تاریخ میں نہیں ملتی۔ عربوں کو زبردستی اونچے برجوں اور بلند مکانوں کی چھت سے گرا دیتے تھے۔ آگ میں زندہ جلا دیتے تھے، گھروں سے نکال کر میدانوں میں جانوروں کی طرح گھسیٹتے تھے۔ مقتول مسلمانوں کی لاشوں پر لے جا کر مسلمانوں کو قتل کرتے تھے۔ کئی ہفتوں تک مسلمانوں کا قتل عام کرتے رہے۔ مشرق و مغرب کے بیان کے مطابق انہوں نے ستر ہزار

مسلمانوں سے زیادہ تہ تیغ کئے"۔ ایک اور عینی شاہد رقمطراز ہے :۔

"جس وقت ہمارے (عیسائیوں) کے آدمی دیوار اور برجوں پر قابض ہو گئے تو مسلمانوں میں عجیب واقعات نظر آنے لگے۔ کسی کا سر کٹا ہوا تھا۔ کسی اثر کے چہرے مجروح تھے۔ اور وہ بہ مجبوری اپنوں کو دیواروں سے نیچے گرا رہے تھے بعض دیر تک مجروح پڑے رہنے کے بعد جلا دئے گئے، بیت المقدس کے راستوں اور ہر جگہ پر سروں، ہاتھوں اور پاؤں کے انبار لگے ہوئے تھے اور لاشوں پر سے چلنا پڑتا تھا۔ مگر یہ بہت کم ہے۔ بمقابل اس کے جو وقوع میں آیا . . . ہیکل سلیمانی میں اس قدر خون بہا تھا۔ کہ اس کے صحن میں لاشیں تیرتی پھرتی تھیں۔ کسی کا ہاتھ کسی کا پیر، کسی کا دھڑ سب بے جوڑ اس طرح سے ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے کہ انہیں پہچاننا مشکل تھا۔ صلیبوں نے اس قتل عام کو ناکافی سمجھ کر ایک مجلس منعقد کی جس میں یہ امر قرار پایا کہ کُل باشندگانِ بیت المقدس مسلمان یہودی اور غیر مقلد عیسائی سب تہ تیغ کر دئے جائیں ان کی تعداد تقریباً ساٹھ ستر ہزار تھی۔ یہ قتل عام کا بازار باوجود حامیان دین عیسوی کی مستعدی کے آٹھ روز تک گرم رہا۔ عورتیں، بچے بوڑھے سب مارے گئے۔ کوئی متنفس بھی

جان بر نہ ہوا۔"

صلیبی مجاہدوں نے بیت المقدس کی فتح کے بعد پوپ کو ان الفاظ میں مبارک باد دی تھی :-

"خدا ہمارے عجز و انکسار سے رام ہو گیا اور ہمارے عجز و الحاح کے آٹھویں روز اسنے دشمنوں بیت المقدس ہمارے حوالہ کر دیا۔ اگر آپ یہ معلوم کرنا چاہیں کہ جو شخص وہاں موجود تھے ان کے ساتھ ہم نے کیا سلوک کیا تو اس قدر لکھ دینا کافی ہے کہ جب ہمارے سپاہی ہیکل سلیمانی کے معبد میں داخل ہوئے تو ان کے گھوڑوں کے گھٹنوں تک مسلمانوں کا خون تھا۔"

غازی سلطان

اب تاریخ کا ورق الٹتا ہے۔ اکیانوے برس کے صلاح الدین اپنی فوجوں کے ساتھ بیت المقدس کے سامنے موجود تھا۔ یہ شہر مسلمانوں کے لئے اتنا ہی معزز تھا جتنا عیسائیوں کے لئے۔ اس لئے سلطان یہاں خونریزی پسند نہیں کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے عیسائیوں کو پیغام بھیجا کہ شہر میرے حوالہ کر دو۔ اور اس کے معاوضہ میں تمہیں اتنا علاقہ دے دونگا جتنا تم سنبھال سکو۔ مگر عیسائیوں نے انکار کر دیا۔ اب سلطان کو مجبوراً لڑنا پڑا کئی دن تک مقابلہ ہوتا رہا۔ جب عیسائیوں نے دیکھا کہ اب ان میں مقابلہ کی تاب نہیں تو جان و مال کی حفاظت کی شرط پر شہر حوالے کر دینے پر تیار ہو گئے۔ شرط کی تفصیل یہ تھی کہ بیت المقدس کے تمام عیسائی فی مرد دس دینار

فی عورت پانچ دینار اور فی بچہ دو دینار فدیہ ادا کریں گے۔ اور چالیس دن کے اندر جن کا فدیہ ادا نہ ہو گا وہ غلام شمار کئے جائیں گے۔"

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ جب عیسائیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کیا تھا تو انہوں نے مسلمانوں کا کس بے دردی سے قتل عام کیا تھا سلطان چاہتا تو اس کا بدلہ لے سکتا تھا۔ مگر اس نے بڑی فیاضی اور شرافت کا ثبوت دیا۔ بیت المقدس پر قبضہ کرتے ہی اس کے سپاہیوں نے شہر کے ہر گلی اور ہر کوچے میں حفاظت کے انتظامات کئے۔ وہ ہر قسم کی ظلم و زیادتی کو روکتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ایک بھی ایسا واقعہ نہیں ہوا جس میں کسی عیسائی کو کوئی نقصان پہنچا ہو۔

زرِ فدیہ کی ادائی بڑی احتیاط سے عمل میں آئی۔ ان غریب اور نادار صلیبیوں کی رہائی میں جو فدیہ کی رقم ادا نہ کر سکتے تھے مسلمان امیروں نے حصہ لیا۔ امیر مظفر الدین کوکبری نے رہا کے ایک ہزار ارمنی عیسائیوں کا فدیہ اپنی جیب سے ادا کر کے انہیں آزاد کرایا۔ چالیس روز تک آزاد شدہ عیسائیوں کی رہائی کا سلسلہ جاری رہا۔ جیسے جیسے لوگ فدیہ کی رقم ادا کرتے جاتے باہر آتے جاتے تھے جب فدیہ کی رقم کی مدت معینہ گذر گئی اور شہر میں کئی ہزار لوگ باقی رہ گئے تو سلطان نے اپنے امیروں کو اشارہ کیا کہ اس سے معافی کے لئے آدمی مانگیں اور انہیں باہر نکالیں۔ یہ اشارہ پاکر سلطان کے بھائی ملک العادل نے ایک ہزار غلاموں کو اپنی طرف سے آزاد کیا۔

اس کے بعد سلطان نے اعلان کیا کہ اب میں اپنی طرف سے خیرات کرتا ہوں اور سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ شہر میں عام منادی کر دیں کہ وہ تمام بوڑھے جو فدیہ ادا نہیں کر سکتے آزاد کئے جاتے ہیں۔ انہیں اختیار ہے وہ جہاں چاہیں چلے جائیں۔ چنانچہ طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک برابر ان کی جماعتیں شہر سے نکلتی رہیں۔ بیت المقدس میں بہت سی معزز خواتین بھی تھیں۔ جن کو سلطان نے مال و متاع سمیت جانے کی اجازت دے دی۔ سلطان نے قیدی اور مقتول عیسائی افسروں کی بیویوں سے نہایت شریفانہ سلوک کیا۔۔ جب وہ اپنی حالتِ زار بیان کر کے رحم کی طالب ہوئیں تو سلطان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ان میں سے جن کے شوہر زندہ اور قید تھے ان کو رہا کر دیا جن کے شوہر قتل ہو چکے تھے ان کو ان کے رتبہ کے مطابق روپیہ دے کر تشفی اور دل دہی کی کہ وہ سلطان کے احسان سے اتنی متاثر ہوئیں کہ وہ اس کا ذکر بڑی ممنونیت سے کیا کرتی تھیں۔

اس سلسلہ میں لین پول لکھتا ہے :۔

"جب ہم سلطان کے ان احسانات پر غور کرتے ہیں تو وہ وحشیانہ حرکتیں یاد آتی ہیں جو صلیبیوں نے فتح بیت المقدس کے وقت کی تھیں کہ جب گاڈفرے اور تنکویر وشلم کے بازار سے گزرے تو وہاں مسلمانوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں اور جاں بلب زخمی لوٹتے تھے جبکہ صلیبیوں نے بے گناہ اور لاچار مسلمانوں کو سخت اذیتیں دے کر مارا تھا۔ اور زندہ

آدمیوں کو جلا دیا تھا۔ اور جب قدس کی چھتوں پر مسلمان پناہ لینے چڑھے تھے تو صلیبیوں نے انہیں وہیں تیروں سے چھید کر گرا دیا تھا اور جہاں انہی کے قتلِ عام نے مسیحی دنیا کی عزت کو بٹا لگایا تھا۔ اور اس مقدس شہر کو انہوں نے ظلم و بدنامی کے رنگ میں رنگا تھا، جہاں رحم و محبت کا وعظ مسیحؑ نے سنایا تھا اور فرمایا تھا خیر و برکت والے ہیں وہ لوگ جو رحم کرتے ہیں۔ ان پر خدا کی برکتیں نازل ہوتی ہیں۔ جس وقت یہ عیسائی اس پاک و مقدس شہر کو مسلمانوں کا خون کر کے خوشیاں منا رہے تھے، اس وقت وہ اس کلام کو بھول گئے تھے۔ اور یہ ان بے رحم عیسائیوں کی خوش قسمتی تھی، کہ سلطان صلاح الدین کے ہاتھوں ان پر رحم ہو رہا تھا۔ اگر صلاح الدین کے کارناموں میں سے صرف یہی کام دنیا کو معلوم ہوتا کہ اس نے کس طرح یروشلم کو بازیافت کیا۔ نہ صرف یہی کارنامہ اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کافی تھا کہ وہ نہ صرف اپنے زمانہ کا بلکہ تمام زمانوں کا سب سے بڑا عالی حوصلہ انسان اور جلالت و شجاعت میں یکتا اور بے مثل تھا۔"

یہ داستاں ہے کہ کس طرح عیسائیوں نے ظلم و ستم اور بے رحمی دکھائی اور کس طرح مسلمانوں نے رحم و کرم اور عفو و درگذر سے کام لیا۔

(نوٹ: حاشیہ صفحہ ۱۵۶ پر ملاحظہ فرمایئے)

ماخذ

مسلمان سپہ سالار اور فاتح	سید نصیر احمد
تاریخ اسلام جلد سوم	شاہ معین الدین ندوی
مسلمانوں کا عروج وزوال	سعید احمد

۱؎ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ اسلامی دنیا میں دو خلیفہ تھے۔ ایک عباسی ہاشمی خلیفہ عراق میں حکمران تھا اور دوسرا فاطمی ہاشمی خلیفہ مصر میں مقیم تھا۔ ان کی رقابت کا یہ عالم تھا کہ ایک کو زک دینے کے لئے دوسرا عیسائیوں کے ساتھ مل جاتا تھا۔ اللہ کی قدرت دیکھئے کہ عجمی سفید پوش نجم الدین ایوب آرمنیا سے اٹھا اور ترقی کرتے کرتے سلطان نورالدین زنگی اور ان کے باپ کا منظور نظر ہوگیا۔ یہی بزرگ صلاح الدین ایوبی کے والد محترم تھے۔

صلاح الدین ۱۱۳۸ء میں پیدا ہوا اور چھبیس سال کی عمر میں نورالدین زنگی کا وزیر بنا۔ شروع ہی سے اس میں اسلامی تڑپ ایسی پائی جاتی تھی کہ وہ مسلمانوں کے بکھرے ہوئے شیرازے کو دیکھ دیکھ کر کڑھتا رہتا تھا۔ بالآخر وہ سب کو اکٹھا کرنے اور عیسائیوں کو شکست دینے میں کامیاب ہوگیا۔

دِلّی کی بِپتا

یعنی ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی

مسلمان قوم کی حکومتوں میں کئی انقلاب آئے اور انقلاب سے جو تباہی آتی ہے وہ بیسیوں جگہ پیش آئی مگر دہلی کا انقلاب ایسا انقلاب تھا، جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی ہے۔ ایک پوری قوم پر زوال آگیا اور ایک بڑی دبدبہ والی قوم کے شاہی افراد اور دہلی کے مسلمانوں پر تو ایسی آفت آئی۔ کہ اس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی ناکام رہی۔ انگریز فتح یاب ہوئے۔ فتح کے بعد انہوں نے قتل عام شروع کر دیا۔ نہ داد تھی نہ فریاد۔ مسلمانوں کو تو چن چن کر قتل کیا گیا۔ اس لئے کہ حکومت برائے نام سہی،

مسلمانوں کی تھی - اور بہادر شاہ ظفر ایک مسلمان بادشاہ تھا؟

۲۰ ر دسمبر ۱۸۵۷ء کو انگریزوں نے دہلی پر قبضہ کیا - شہر پر قبضہ ہوتے ہی لوگ بھاگنے لگے - مختلف دروازوں سے نکل کر جنگلوں اور دیہات کی طرف دوڑے - گوجر اور میواتی پہلے ہی تاک میں بیٹھے تھے - انہوں نے ان حواس باختہ اور خوف زدہ لوگوں کو لوٹ لیا - اور جو کچھ ان کے پاس تھا چھین لیا شہر میں بیشتر وہ اشخاص رہ گئے جو انگریزوں کے وفادار تھے اور جنہوں نے اپنے ہی بھائیوں کے خلاف مخبری کی تھی - یا ہندو جو انگریزوں کی خیر خواہی کی وجہ سے محفوظ تھے - وہ پہلے ہی انگریزوں کو ہر قسم کی امداد دے رہے تھے - ان تک خبریں پہنچاتے تھے - اور رسد کا سامان بھی - ان کے ساتھ بڑی رعائتیں کی گئیں -

کرنل برن کو شہر کا فوجی گورنر مقرر کیا گیا - اس نے یہ نادری حکم دیا کہ شہر میں جو بھی ہے وہ گھر کا اسباب اپنے سر پر اٹھا کر اس کی خدمت میں حاضر ہو - سپاہی اس حکم کی تعمیل کے لئے سارے شہر میں پھیل گئے - وہ مردوں کے سروں پر سامان لدواتے - عورتیں اور بچے ان کے ساتھ کرتے - اور اس طرح انہیں کشاں کشاں کرنل صاحب تک پہنچاتے - پردہ نشین خواتین کو کبھی گھر سے باہر نکلنے کا اتفاق کاہے کو ہوا ہوگا - وہ لڑکھڑاتی گرتی پڑتی ہزاروں مشکلوں سے قدم بڑھاتی تھیں - اور سپاہی انہیں دھکے دیتے تھے کہ جلدی چلو اور ان ظالموں کو جو مسلمان

ہی تھے، ان غریبوں پر ذرا رحم نہیں آتا تھا۔ یہ وہ مسلمان تھے جو اپنی غیرت اور حمیت انگریزوں کے ہاتھ فروخت کر چکے تھے۔ جب یہ کرنل برن کے سامنے پہنچتے تو ان سے سارا سامان وہیں رکھوا لیا جاتا اور انہیں پھر دھکّے دے کر شہر سے باہر نکال دیا جاتا ہے۔ یہ ننگے بھوکے، فلاکت زدہ شہر سے باہر آتے جہاں گوجر اور میواتی ان کے بچے کھچے کپڑے چھین لیتے۔

ایک فوجی سپاہی لکھتا ہے :۔

"ہزاروں عورتیں ایسی تھیں کہ وہ گھر سے باہر نہ نکلیں اور انہوں نے گھر میں مر جانا قبول کیا جس وقت انہوں نے سُنا کہ فوج آتی ہے۔ تو کنوؤں میں گرنے لگیں اور اس کثرت سے گریں کہ ڈوبنے کو پانی نہ رہا کنویں ان کی لاشوں سے بھر گئے ہم نے (یعنی فوجیوں) ایسی سینکڑوں عورتوں کو کنوؤں سے زندہ نکالا جو کنوؤں میں لاشوں کے سبب جگہ نہ ہونے سے ڈوبی نہ تھیں اور زندہ پڑی تھیں یا بیٹھی تھیں۔ جس وقت ہم نے ان کو نکالنا چاہا، تو وہ چیخنے لگیں کہ برائے خدا ہم کو ہاتھ نہ لگاؤ اور گولی سے مار ڈالو ہم شریف بہو بیٹیاں ہیں۔ ہماری آبرو خراب نہ کرو اور جب ہم ان کو باہر نکالتے تھے تو وہ ڈر کے مارے تھر تھر کانپنے لگتی تھیں اور بعض ان میں بیہوش ہو کر گر پڑتی تھیں۔"

ایسے باحمیت اور غیرت مند لوگ بھی تھے جنھوں نے بہو بیٹیوں کو ذبح کر کے سپاہیوں پر حملہ کر دیا۔ اور یا تو بہادری سے لڑتے ہوئے مارے گئے یا گرفتار ہو کر تختۂ دار پر لٹکائے گئے۔

دہلی کے ہر مسلمان کو انگریزوں نے باغی سمجھا اور ان کے ساتھ سفاکانہ سلوک کیا۔ بعض محلّوں میں ایک مرد کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔ کوچہ چیلاں پر اور محلوں سے زیادہ مصیبت آئی۔ اس لئے کہ دہلی کے بڑے بڑے شرفا اور نامور علما اسی محلّہ میں رہتے تھے۔ اس محلّہ کے قتل و غارت کا فسانہ بیان کرتے ہوئے ایک مؤرخ لکھتا ہے:۔

"ان لوگوں کو رسی سے باندھا گیا اور دریا کی ریتی میں قطار بنا کر کھڑا کیا گیا اور گولیوں کی باڑ چلا دی گئی۔ جس سے سب مر کر گر پڑے۔ ان مقتولین میں ہندوستان کے دو تین سورج بھی تھے۔ ایک مولانا صہبائی جن کی فارسی دانی تمام ہندوستان میں مسلّم تھی اور دوسرے سید محمد امیر عرف میر پنجہ کش جن کی خوش نویسی کا لوہا ہندوستان مانتا تھا۔ اور ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے حروف سونے چاندی کے عوض خریدے جاتے تھے۔"

جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے۔ انگریزوں نے مسلمانوں کو چن چن کر قتل کیا۔ ان کے نزدیک سارا قصور مسلمانوں کا تھا، گنہگار تھے تو صرف مسلمان۔ انگریزوں نے جس ہولناک طریقہ سے انتقام لیا قلم اسے تحریر کرنے سے قاصر

ہے۔ظاہر ہے کہ دھلی کے سارے باشندے تو باغیوں کے ساتھ نہیں تھے مگر انگریز اس وقت دیوانگی کی حالت میں تھے۔ ان کے نزدیک ہر مسلمان اُن کا دشمن تھا۔ دہلی کی جو حالت ہوئی اس کے ایک دن کا حال لارڈ رابرٹس کی زبان سے سنیئے :-

"ہم صبح کو لاہوری دروازہ سے چاندنی چوک گئے تو ہم کو شہر حقیقت میں مردوں کا شہر نظر آتا تھا کہ کوئی آواز سوائے ہمارے گھوڑوں کی ٹاپوں کے سنائی نہ دیتی تھی۔ کوئی زندہ آدمی ہمیں نظر نہ آیا۔ ہر طرف مردوں کا بچھونا بچھا ہوا تھا۔ جن میں سے بعض حالت نزع و جانکنی میں مبتلا تھے

"ہم چل رہے تھے تو بہت آہستہ آہستہ بات کر رہے تھے کہ ہماری آواز سے مردے نہ چونک پڑیں، اس بات کے دیکھنے سے کہ ایک طرف مردوں کی لاشوں کو کتے کھا رہے ہیں اور دوسری طرف لاشوں کے آس پاس گدھ جمع ہیں، جو ان کے گوشت کو نوچ نوچ کر مزہ سے کھا رہے ہیں۔ اور ہماری آمد کی آواز سے ڈر کر اڑ کر تھوڑے فاصلے پر جا بیٹھتے ہیں، ہم کو بڑی عبرت ہوتی تھی اور ہمارا دل رنجور ہو جاتا تھا۔ بہت سے مردے ایسے پڑے تھے گویا زندہ ہیں۔ بعض مردوں کے ہاتھ اوپر اٹھے ہوئے تھے

اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

غرض ان مردوں کی کیفیت بیان نہیں ہو سکتی
جیسے کہ ہم کو ان کے دیکھنے سے ڈر لگتا تھا، ویسے ہی ہمارے
گھوڑے ان کو دیکھ کر بدکتے اور ہنہناتے تھے۔ مردوں
کی لاشیں پڑی سڑتی تھیں۔ ان کے تعفن سے ہوا میں
بیمار کرنے والی بدبو اٹھ رہی تھی۔"

ایک اور انگریز لکھتا ہے:۔

دہلی کے باشندے اگرچہ سب نہیں مگر آدھے
بے قصور شہر کے گرد و نواح دیہات اور جنگلوں میں پڑے
ہوئے ہلاک ہو رہے ہیں۔"

شہر والوں کا یہ حال تھا اور ادھر شہزادوں کا بُرا حشر ہو رہا تھا۔ بادشاہ گرفتار ہو چکے تھے۔ اور مرزا مغل، مرزا ظفر سلطان اور مرزا ابوبکر، بادشاہ کے بیٹے اور پوتے ہمایوں کے مقبرہ میں پناہ گزیں تھے۔ میجر ہڈسن انہیں گرفتار کرنے کے لئے وہاں گیا۔ شہزادے خاصی رد و قدح اور حفظِ جان کے وعدہ کے بعد آئے اور پھر جو کچھ ہُوا اس کا حال ایک عینی شاہد سے سنیئے:۔

"جس وقت وہ (شہزادے) ہڈسن کے سامنے آئے
اس نے ان کو خونخوار نظروں سے دیکھا مگر خاموش کھڑا رہا
اور رتھوں پر سوار ہو جانے کا حکم دیا۔ جب دہلی ایک
میل رہ گئی تو رتھوں کو ٹھہرایا اور شہزادوں کو حکم دیا کہ

سے باہر آجائیں اور اپنے کپڑے اتار ڈالیں۔ آخر وہ ہاتھوں سے اُترے اور انہوں نے دو پہر کے لباسِ شہزادگی کو جسم سے جدا کر دیا۔۔۔ ہڈسن نے جب انہیں لباس شہزادگی اتارے ہوئے دیکھا تو وہ غصہ سے دیوانہ ہو گیا۔ اس نے ایک سوار سے بھری ہوئی۔۔۔ قرابین مانگی اور اس کو ہاتھ میں لے کر تڑ تڑ تین فائر کئے وہ ہائے "دھوکہ" کہہ کر زمین پر گر پڑے اور خاک میں لوٹنے لگے اور کچھ دیر کے بعد مر گئے۔"

یہ شہزادے تو اس طرح بہت سے عذابوں سے چھوٹ گئے۔ مگر ان کا جو زندہ رہے ایسا بُرا حشر ہُوا کہ ان کے حالات پڑھ کر آنکھیں اشک آلود ہو جاتی تھیں۔ خواجہ حسن نظامی نے دلیسے شہزادوں اور شہزادیوں کے کئی دردناک قصے بیان کئے ہیں

خواجہ حسن نظامی صاحب لکھتے ہیں:۔

"جب ہزاروں مسلمان مارے گئے تو ان کی لاوارث بیویاں، کنواری اور بیاہی لڑکیاں، بہنیں، مائیں بے سہارا رہ گئیں۔ ان میں سے بہت سی عورتوں نے انگریزی فوج کے مسلمانوں سے شادیاں کر لیں اور بعض نے بدچلنی کا پیشہ اختیار کر لیا۔ بہادر شاہ کی ایک بیٹی ربیعہ بیگم نے روٹیوں سے محتاج ہونے کے سبب دہلی کے مشہور باورچی

سے شادی کر لی۔ بہادر شاہ کی ایک دوسری بیٹی فاطمہ
سلطان پادریوں کے زنانہ سکول میں معلمی کا پیشہ کرنے لگی۔ اگر
کوئی شخص ایک خمیری روٹی یا ایک مٹھی چنے یا کوڑیاں تقسیم کرتا
تھا تو مسلمان عورتوں کے غول کے غول جمع ہو جاتے تھے یہ
وہی عورتیں تھیں جو سال دو سال پہلے خود ہزاروں روپے کی خیرات
اپنے گھروں میں بیٹھ کر کرتی تھیں "

قتل و غارت کے علاوہ انگریزوں نے دہلی کو خوب لوٹا۔ خوب برباد کیا، خوب تباہی پھیلائی۔ گھر ڈھائے گئے اور فرش کھود کر جتے ہوئے کھیت بنا دیے گئے۔ کئی صدیوں کے دفینے نکال لئے گئے۔ جب ایک عرصے کے بعد آوارہ وطنوں اور مصیبت زدوں کو واپس بلایا گیا تو ٹوٹے پھوٹے گھروں اور شکستہ دیواروں کے سوا شہر میں کچھ بھی نہ تھا۔

لوٹ مار اور قتل و غارت میں انگریزوں نے مسلمانوں کی دیرینہ دشمنی کی بنا پر سکھوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ اور سکھوں نے بھی مسلمانوں سے جی بھر کر انتقام لیا۔

ایک انگریز ایڈورڈ ٹامسن لکھتا ہے :۔

"ہماری فوج کے شہر میں داخل ہوتے ہی تمام وہ
لوگ جو گلی بازاروں میں چلتے پھرتے نظر آئے فوراً سنگینوں
سے چھید دیئے گئے۔ ایک گھر میں چالیس پچاس ایسے
آدمی ہمارے خوف سے پناہ گیر تھے جو ہماری معافی کا

یقین رکھتے تھے۔لیکن ان کو بھی فوراً سنگینوں سے ذبح
کر دیا گیا۔"

اس زمانہ میں سرسید اپنی والدہ کی تلاش میں دہلی آئے۔ وہ اس ہنگامہ کے دوران میں سرکار انگریزی کے وفادار رہے تھے۔ ان کی والدہ ایک سائیس کے گھر میں چھپی ہوئی تھیں۔ سرسید کے آواز دینے پر انہوں نے یہ کہتے ہوئے دروازہ کھولو۔"تم یہاں کیوں آ گئے؟ یہاں سب قتل ہو رہے ہیں۔تم بھی مار دیئے جاؤ گے۔" پانچ روز سے وہ گھوڑوں کے دانے پر گذارہ کر رہی تھیں۔اور تین دن سے پانی کا ایک قطرہ نصیب نہیں ہوا تھا۔وہ سخت بے کسی کی حالت میں تھیں۔ایک بڑھیا ساتھ تھی۔مگر وہ بھی مر گئی تھی۔سرسید کے نہتے چچا اور چچا زاد بھائی سکھ سپاہیوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ شہر میں لوٹ مار کا بازار گرم تھا۔بہت سی بے بہا قلمی کتابیں اس غارت گری میں ضائع ہو گئیں۔

احمد حسین خاں شاعر ذوق کی سوانح عمری میں لکھتے ہیں:-

"۱۸۵۷ء کے انقلاب میں سینکڑوں ناکردہ
گناہ عورتیں مہتابی کی طرح جلائی گئیں۔ہزاروں معصوم
بچے شہید تیغ ستم ہوئے۔"

ایک شخص نے چشم دید حالات یوں لکھے ہیں:-

"کوسوں تک بجز ایک فاقہ زدہ بلی کے اور ایک
بوڑھی مصیبت کی ماری عورت کے جو گودڑ سمیٹے پھرتی تھی

کوئی آدمی نظر نہ آیا۔ کالج کی عمارت میں یورپین توپ خانہ نصب تھا۔ جامع مسجد جو تمام ہندوستان میں بے نظیر ہے، سکھوں کی فوجی بارک تھی۔ اور مارشل لاء جاری تھا۔"

غرض دہلی کی تباہی مکمل تھی۔ انگریزوں نے جس طرح اسے لوٹا، اس طرح لوٹنے کا خیال نادر شاہ اور تیمور کو بھی نہ آیا ہوگا۔

ایک مؤرخ لکھتا ہے :-

"مغلوں کا یہ عروس البلاد کھنڈروں اور ملبے کا ڈھیر بن کر رہ گیا تھا۔ مکانوں اور سڑکوں میں ہو کا عالم تھا، کوئی آدمی اس کی حفاظت کے لئے موجود نہ تھا۔ اس کے تباہ شدہ دروازوں اور منہدم میناروں پر ویرانی اور بربادی چھائی ہوئی تھی۔ اور بھنگی دلی کے ان ہزاروں لوگوں کی لاشوں کو جمع کر کے گڑھوں میں دبا رہے تھے جو تخت شاہی کو بحال کرنے کے لئے اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ اور اب پورے شہر میں ایک آدمی بھی ایسا نہ تھا جو اپنے فاتحوں کے خلاف چوں بھی کر سکے۔"

ٹامسن کسی مصنف کی تحریر کا حوالہ دے کر لکھتا ہے :-

"اب ہم شہر میں نہیں جاتے اس لئے کہ کل ایک ایسا دردناک نظارہ دیکھا جس سے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور وہ یہ کہ راستہ میں ہم نے چودہ عورتوں کی نعشوں

کو شالوں میں لپیٹے ہوئے بازار میں پڑا پایا، جن کے سر ان کے شوہروں نے خود کاٹے تھے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ غیرت میں آکر شوہروں نے خود ان کے گلے کاٹے تھے۔ تاکہ انگریز سپاہی ان کی عصمت دری نہ کریں۔ اور خود بھی خنجر مار کر ان کے پاس گر گئے۔ ہم نے دیکھا کہ ایک طرف ان کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں"۔

بہادر شاہ ظفر گرفتار ہو چکے تھے۔ ذرا سر جان لارنس کی زبان سے ان کا حال سنیئے:۔

"آخری بادشاہ کی عالی شان غلام گردشیں اور شاہانہ خلوت سرائیں عوام الناس کی نگاہوں کے سامنے کھلی ہوئی تھیں۔ بے چارہ بوڑھا بادشاہ جو بہ مجبوری باغیوں کے ہاتھ کٹھ پتلی بنا تھا وہ اپنے محل سے نکالا ہوا ایک علیحدہ کمرے میں بیٹھا ہوا تھا اور اس کو پھانسی دینے کی تجویزیں ہو رہی تھیں۔ وہ افسروں اور سپاہیوں کی گالیاں سن رہا تھا۔ گھڑکیاں سہہ رہا تھا۔ شہنشاہ بیگم اس کی آڑ میں اپنے جسم کو چھپاتی تھی کہ کسی نامحرم یا ظالم کی نظر نہ پڑ جائے"۔

دھلی پر یہ قیامت گذر رہی تھی اور ریاستوں کے رئیس گرفتار کر کے لائے جا رہے تھے۔ اور پھانسیوں پر چڑھائے جاتے تھے۔ جھجر کے نواب

عبدالرحمٰن بڑے غیرت مند شخص تھے۔ انہیں اس جرم میں پکڑا گیا کہ انہوں نے مٹکاف صاحب کو پناہ نہیں دی تھی۔ اور بہادر شاہ کے پاس عرضیاں بھیجی تھیں۔ ان پر اس جرم میں مقدمہ چلایا گیا کچھ دن قلعہ کے دیوان عام میں قید رہے اور پھر پھانسی دے دی گئی۔ فرخ نگر کے نواب احمد علی کو بھی پھانسی ہوئی۔

پھانسی روز تیسرے پہر دی جاتی تھی۔ پھانسی کے وقت کے سب کو اکٹھے لاکر کھڑے کر دیا جاتا تھا۔ ان میں سے کچھ تختۂ دار پر لٹکائے جاتے تھے اور باقی ان کا تڑپنا اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے۔ پھر ان کی بھی باری آجاتی تھی۔ جس جگہ پھانسیاں دی جاتی تھیں۔ وہاں سامنے ایک دکان دار کرسیاں بچھا دیتا تھا اور افسر چرٹ پی پی کر یہ منظر دیکھتے۔ اور خوش ہوتے تھے۔

مسٹر کوٹ لینڈ کا بیان ہے کہ :۔

> "مزید برآں یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ خوں ریزی کے عادی سپاہیوں نے جوشِ انتقام کو فرد کرنے کے لئے جلادوں کو رشوت دے کر آمادہ کر رکھا تھا کہ لاش کو پھانسی پر زیادہ دیر تک لٹکا رہنے دیا جائے تاکہ لاش کے تڑپنے کی دردناک کیفیت دیکھ کر جسے وہ ناچ سے تشبیہ دیتے تھے، اپنی خونخوار طبائع کے لئے دلچسپی کا سامان بنا سکیں۔"

غرض انگریزوں نے جس طرح دہلی میں قتلِ عام کیا اور جس طرح اس شہر کو لوٹا اس کو تفصیل سے لکھنا ناممکن ہے۔ مولانا غلام رسول مہر تحریر کرتے ہیں:

"باقی رہا امرِ ثانی یعنی انگریزوں کے ظلم، ان کی تعدیاں اور جوشِ انتقام میں حیرت انگیز بے اعتدالیاں تو حقیقت یہ ہے کہ ان کا صحیح اندازہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک پوری تحریک کی سرگزشت پیش نہ کی جائے۔ ہمارے پاس آج تک ۱۸۵۷ء کا جو مرقع آیا ہے وہ عموماً انگریزوں کا تیار کردہ ہے ظاہر ہے کہ کوئی بھی قوم حق و انصاف کے تقاضوں کی خاطر اپنے چہرے پر سیاہی ملنے کے لئے تیار نہیں ہوتی۔ لیکن اگر آپ صرف انگریزوں کا تیار کیا ہوا مرقع بھی سامنے رکھ لیں اور انہوں نے ظلم و جور کی جو داستانیں جا بجا پیش کیں، انہیں یکجا کر لیں تو حیران رہ جائیں گے کہ یہ سب کچھ صرف ایک سو سال پیشتر اس سرزمین میں اور اس آسمان کے نیچے ان انگریزوں نے کیا تھا جنہیں فرنگی قوموں کے مقابلہ میں سب سے بہتر سمجھا جاتا تھا۔ جو انہوں نے کیوں یہ سب کچھ لکھنا گوارا: کیا مجھے اس بارے میں قیاس آرائی کی ضرورت نہیں ہیں صرف اتنا جانتا ہوں کہ اگر انگریز مصنفوں ہی کے بیانات پر اعتماد کر لیا جائے

اور صرف ان کی سنائی ہوئی کہانیوں پر اکتفا کیا جائے
تو پاک و ہند کی تاریخ کا نہایت خونچکاں باب آپ کے
سامنے آجائے گا، جس کی مثال نہ پہلے کے واقعات میں
ملتی ہے اور نہ بعد کے واقعات میں۔ لیکن میرے
نزدیک یہ سرگزشت اصل کا محض ایک دھندلا سا نقش
ہوگی۔"

مختصر یہ کہ انگریزوں نے مسلمانوں سے وحشیانہ انتقام لیا۔ گناہگار و بے گناہ کو طاقت کی چکی میں بلا امتیاز پیس دیا۔ عورتوں بچوں، بوڑھوں، اپاہجوں تک پر مطلق ترس نہ کھایا۔ یہی نہیں بلکہ آئندہ پچیس برس تک انگریزوں کی حکومت مسلمانوں کو کمزور و ناکارہ بنانے کی کوشش کرتی رہی۔

ماخذ

سنہ ۱۸۵۷ء — محمد شفیع
غدر دہلی کے افسانے — خواجہ حسن نظامی
سنہ ۱۸۵۷ء میری نظر میں — ناصر کاظمی، انتظار حسین

بالاکوٹ

(تیرھویں صدی ہجری میں جب ایک طرف ہندوستان میں مسلمانوں کی سیاسی طاقت فنا ہو رہی تھی اور دوسری طرف ان میں مشرکانہ رسوم اور بدعات کا زور تھا حضرت سید احمدؒ بریلوی کی مجاہدانہ کوششوں نے تجدید دین کی نئی تحریک شروع کی۔ یہ وہ وقت تھا جب سارے پنجاب پر سکھوں کا قبضہ تھا اور باقی برصغیر پر انگریزوں نے تسلط جما لیا تھا حضرت سید صاحبؒ نے اپنی بلند ہمتی سے اسلام کا علم اٹھایا اور مسلمانوں کو جہاد کی دعوت دی جس کی آواز ہمالیہ کی چوٹیوں اور نیپال کی ترائیوں سے لے کر خلیج بنگال کے کناروں تک یکساں پھیل گئی اور مسلمان جوق درجوق اس علم

کے نیچے جمع ہونے لگے یہ مسلمانوں کی ایک عظیم الشان تحریک تھی۔ ان آخری صدیوں میں دنیائے اسلام میں کسی ایسی مذہبی تحریک کا پتہ نہیں چلتا جو اس تحریک احیاءِ سنت و جہاد سے زیادہ منظم اور وسیع ہو اور جس کے سیاسی و مذہبی اثرات اتنے ہمہ گیر اور دور رس ہوں، مگر افسوس صد افسوس کہ جماعتوں کا نفاق اور امرا کا اختلاف اس کی ناکامی کا باعث ہُوا۔

حضرت سید احمد نومبر ۱۷۸۶ئہ میں رائے بریلی میں پیدا ہوئے آپ مشہور حسنی سادات سے تھے۔ جن کے افراد علم و فضل میں بڑے ممتاز تھے۔ مگر سید صاحب کو لکھنے پڑھنے کا زیادہ شوق نہ تھا۔ لڑکپن میں سپاہیانہ ورزشیں بہت پسند تھیں۔ ڈنڈ پیلنے اور تیرنے کی خوب مشق کرتے تھے۔ جوان ہوئے تو ملازمت کی تلاش میں لکھنؤ گئے۔ وہاں دل نہ لگا، دہلی آکر شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ یہاں منازل سلوک طے کیں۔ اور پھر کچھ عرصہ تک نواب امیر خاں (والی ٹونک) کے ساتھ کئی معرکوں میں داد شجاعت دیتے رہے۔

تھوڑی مدت کے بعد دہلی آئے تو ان کی شہرت پہلے ہی یہاں پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے ایما سے مولانا عبدالحی اور شاہ اسمٰعیلؒ جیسے فاضل سیّد صاحب کے مرید ہو گئے۔ بس پھر کیا تھا۔ صدہا اشخاص نے بیعت کی۔ اور مشرکانہ رسوم اور بدعات سے بچنے کے پکّے وعدے کئے آپ نے وسیع پیمانے پر تجدید دین کی تحریک شروع کی۔ جس میں آپ کو بڑی

کامیابی ہوئی۔ اس کے بعد آپ نے فریضۂ حج ادا کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ آپ نے اپنے مریدوں کو اس کی اطلاع دی اور یکم شوال ۱۲۳۶ھ (۱۸۲۰ء) کو بروز عید الفطر بعد ادائے نماز چار سو مردوں، عورتوں اور بچوں کے ساتھ رائے بریلی سے کلکتہ روانہ ہوئے۔ راستے میں الہ آباد، پٹنہ، بھاگلپور، مونگیر میں قیام کیا اور ہزارہا آدمیوں کو ہدایت کا راستہ دکھایا۔ آپ تین ماہ کلکتہ میں مقیم رہے۔ اور وہاں اپنا سارا وقت اصلاح خلق میں صرف کیا۔

کلکتہ سے آپ مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ حج کے بعد مدینہ منورہ گئے اور دوسرے سال وطن کا رُخ کیا۔ واپسی پر چند روز بمبئی ٹھہرے۔ پھر کلکتہ آئے اور وہاں سے منزل بہ منزل رائے بریلی پہنچے۔ پورے سفر میں کوئی تین سال لگے۔ حجاز میں کئی اہل علم سے ملاقات ہوئی اور بہت سے لوگوں نے سید صاحب کی بیعت کی۔ سید صاحب حجاز سے نئے حوصلوں اور نئے عزم کے ساتھ واپس آئے۔ حج پر روانہ ہونے سے پہلے ہی ان کا ارادہ سکھوں سے جہاد کا تھا۔ اب وہ واقعی جہاد کی تیاری کرنے لگے۔ کہا جاتا ہے کہ حج پر جانے سے قبل جب سید صاحب وعظ و ہدایت کے سلسلہ میں رام پور تشریف لے گئے تو وہاں چند افغان ان سے ملے اور انہوں نے ایک بڑا درد انگیز قصہ سید صاحب کے روبرو بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ جب ہم ادھر آ رہے تھے تو پنجاب میں ایک گاؤں کے کنوئیں پر پانی پینے کو گئے۔ ہم نے دیکھا کہ کچھ سکھنیاں اس کنوئیں پر پانی بھر رہی تھیں۔ ہم لوگ دیسی زبان نہیں جانتے تھے۔ ہم نے اپنے مونہوں پر ہاتھ رکھ کر اشارے سے انہیں بتایا کہ ہم پیاسے ہیں۔ پانی

پلاؤ۔ تب ان عورتوں نے اِدھر اُدھر دیکھ کر پشتو زبان میں ہم سے کہا کہ ہم مسلمان افغان زادیاں فلانی بستی کی رہنے والیاں ہیں۔ اور سکھ ہمیں زبردستی پکڑ لائے ہیں۔ اور جبراً ہم کو سِکھ بنالیا ہے۔

یہ واقعہ صحیح ہو یا نہ ہو۔ لیکن حقیقت ہے کہ سیّد صاحب کئی سال سے پنجاب کے مسلمانوں پر سکھوں کے ظلم وستم کے قصے سنتے اور غصہ سے بیتاب ہو جاتے تھے۔ پنجاب و کشمیر ابھی ابھی سکھوں کے قبضہ میں آئے تھے اور ان کا تسلّط درۂ خیبر تک ہو گیا تھا۔ جس سال سیّد صاحب حج سے واپس آئے اس سال پشاور کے کابلی سرداروں نے مہاراجہ رنجیت سنگھ سے ہار مان کر سکھوں کی سیادت تسلیم کرلی تھی۔ چند فرانسیسی سپاہیوں نے سکھ فوج کو نئے سرے سے آراستہ اور نئی توپوں سے مسلح کر دیا تھا۔ سکھوں سے لڑنا کوئی آسان امر نہیں تھا۔ اس لئے سید صاحب نے سکھوں کے خلاف جہاد کی تیاری شروع کردی۔ اور مولانا اسماعیل شہید اور مولانا عبدالحی کو اطراف برصغیر پاک و ہند میں اس مقصد کے لئے تبلیغ کرنے کے لئے بھیجا۔ اس وقت برطانوی علاقوں میں ہر جگہ ترغیب جہاد کا وعظ ہونے لگا۔

جب تیاریاں مکمل ہوگئیں تو عام مسلمانوں کو جہاد کے بارے میں ایک اطلاع نامہ بھیجا گیا۔ جس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جہاد سے سیّد صاحب کا مقصد ملک گیری یا کسی دوسری قوم سے بے انصافی نہیں تھا بلکہ اس مذہبی آزادی کا حصول تھا۔ جو تمام مہذب ملکوں میں ہر ایک کو حاصل ہے یہ اطلاع نامہ درج ذیل ہے:۔

"سکھ قوم عرصہ سے لاہور اور دوسری جگہوں پر قابض ہے اور ان کے ظلم کی کوئی حد نہیں رہی - انہوں نے ہزاروں مسلمانوں کو بلا قصور شہید کیا ہے اور ہزاروں کو ذلیل کیا ہے۔ مسجدوں میں نماز کے لئے اذان دینے کی اجازت نہیں اور ذبیحہ گاؤ کی قطعی ممانعت ہے۔ جب ان کا ذلت امیز ظلم و ستم ناقابل برداشت ہوگیا تو حضرت سید احمد ایدہ اللہ بنصرہ نے خالصتاً حفاظت دینی کے لئے کئی مسلمانوں کو کابل اور پشاور کی طرف لے جاکر مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے جگایا اور ان کو جرأت دلاکر آمادہ کیا الحمدللہ کہ ان کی دعوت پر کئی ہزار مسلمان راہِ خدا میں لڑنے کو تیار ہو گئے اور سکھ کفار کے خلاف ۲۱ دسمبر ۱۸۲۶ء کو جہاد شروع ہوگیا۔"

مولانا محمد جعفرؒ تھانیسری جنہیں وہابیوں کے مشہور مقدمہ سازش میں کالے پانی کی سزا ہوئی تھی، اپنی کتاب سوانح احمدی میں لکھتے ہیں کہ :-

"جب آپ سکھوں کے خلاف جہاد کرنے کو تشریف لے جاتے تھے، کسی شخص نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ اتنی دور سکھوں پر جہاد کرنے کو کیوں جاتے ہیں۔ انگریز جو اس ملک پر حاکم ہیں، وہ دین اسلام کے کیا منکر نہیں ہیں! گھر کے گھر میں ان سے جہاد کر کے ملک ہندوستان

ان سے لے لو۔ یہاں لاکھوں آدمی آپ کے شریک اور مددگار ہو جائیں گے۔ کیونکہ سینکڑوں کوس سفر کر کے سکھوں کے ملک سے پار ہو کر افغانستان میں جانا اور وہاں برسوں رہ کر سکھوں سے لڑنا ایک ایسا امر محال ہے جس کو ہم لوگ نہیں کر سکتے تا سید صاحب نے جواب دیا کہ کسی کا ملک چھین کر ہم بادشاہت کرنا نہیں چاہتے۔ نہ انگریزوں کا نہ سکھوں کا ملک لینا ہمارا مقصد ہے۔ بلکہ سکھوں سے جہاد کرنے کی صرف یہی وجہ ہے کہ وہ ہمارے برادران اسلام پر ظلم کرتے ہیں اور اذان وغیرہ فرائض مذہبی ادا کرنے کے مزاحم ہوتے ہیں۔ اگر سکھ اب یا ہمارے غلبہ کے بعد ان حرکات مستوجب جہاد سے باز آجائیں گے تو ہم کو ان سے لڑنے کی ضرورت نہ رہے گی اور سرکار انگریزی گو منکر اسلام ہے مگر مسلمانوں پر کچھ ظلم و تعدی نہیں کرتی۔ اور نہ ان کو فرض مذہبی اور عبادتِ لازمی سے روکتی ہے۔"

سید صاحب ۱۸۲۵ء کے شروع میں سفر جہاد کے لئے روانہ ہوئے اس وقت آپ کے ساتھ چند ہزار ساتھیوں سے زیادہ نہیں تھے۔ اگرچہ بعد میں کمکی دستے پہنچتے رہتے تھے۔ اور یہ مجاہدین سپہ گری کے فنون سے ناواقف تھے۔ مگر دل میں جوش و خروش رکھتے تھے اور پنجاب اور سرحد کو مذہبی آزادی دلانے کا عزم بالجزم کر کے روانہ ہوئے تھے۔ پہلے سے کوئی نقشۂ جنگ بھی

مرتّب نہیں کیا گیا تھا۔ سیّد صاحب ٹونک سے روانہ ہو کر اجمیر پہنچے اور وہاں سے دہلی، کرنال، تھانیسر، مالیر کوٹلہ اور ممدوٹ آئے۔ یہاں سے انگریزی سرحد عبور کی۔ بہاول پور، حیدر آباد سندھ، شکار پور ہو کر درۂ بولان سے افغانستان میں داخل ہوئے۔ پھر شمال میں کابل تک جاکر مشرق کی طرف مڑے اور پشاور سے چند کوس یوسف زئی علاقہ میں نوشہرہ کو پہلا جنگی پڑاؤ بنایا۔ راستہ میں مجاہدین کا جگہ جگہ خیر مقدم کیا گیا اور لوگ جہاد کے لئے جوق در جوق آتے، اور سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کرتے تھے۔

نوشہرہ پہنچ کر اور جنگ شروع کرنے سے پہلے آپ نے ایک تحریری اطلاع نامہ حسب قاعدۂ شریعت بھیجا۔ لیکن دربار لاہور نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ جرنیل بدھ سنگھ کی زیر قیادت ایک لشکر مجاہدین کے مقابلہ کے لئے روانہ کر دیا۔ سب سے پہلا معرکہ نوشہرہ سے سات آٹھ میل کے فاصلہ پر اکوڑہ میں ہُوا۔ مجاہدین نے حملہ بڑا اچانک کیا۔ اگرچہ سکھوں کی باقاعدہ فوج تعداد میں ان سے کئی گنا زیادہ اور بندوقوں سے مسلح تھی، مگر اِس اچانک حملہ نے ان کے حواس باختہ کر دیئے۔ اور وہ بھاگ گئے۔ جرنیل بدھ سنگھ بھی فرار ہو گیا۔ مجاہدین کی یہ پہلی کامیابی تھی۔ اس کے بعد شب خون حضرہ کا واقعہ پیش آیا۔ جس میں مجاہدین کو بہت سا مال غنیمت ملا۔

اِن دونوں معرکوں کے کچھ عرصہ بعد ۱۱ر جنوری ۱۸۲۷ء کو علمائے علاقہ اور اہل الرائے کے مشورہ سے سید صاحب کے امام برحق اور خلیفۂ وقت

ہونے کا باقاعدہ اعلان کیا گیا تاکہ انتظام جہاد، تقسیم غنائم، اقامت جمعہ اور ترویج شریعت کا آپ کو پورا اختیار ہو اور آپ کے نام کا خطبہ پڑھا جائے۔ چنانچہ لوگوں نے دوبارہ آپ کی امامت پر بیعت کی اور خطبۂ جمعہ میں آپ کا نام پڑھا جانے لگا۔

مگر اس بات نے مقامی خوانین کی نظر میں جہاد کی نوعیت بدل دی۔ سید صاحب کا مقصد تو فقط خدا کی رضاجوئی اور احیائے سنت تھا وہ خلافت کے طلبگار نہیں تھے۔ مگر حالات کے ماتحت انہوں نے یہ منصب قبول کر لیا تھا۔ لیکن سرحد کے دنیا دار خوانین اس امامت کو اپنے اقتدار کے خلاف سمجھے۔ سکھوں نے اس سے فائدہ اٹھایا اور ان کوششوں سے پشاور کے پٹھان سردار سیّد صاحب سے رفاقت کا ظاہرہ اقرار کر کے سکھوں سے مل گئے۔ چند جھڑپوں کے بعد سید صاحب کو یہ علاقہ چھوڑ کر پنج تار جانا پڑا۔ یہاں سوات اور بنیر کے بہت سے لوگ ان کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ ہندوستان سے بھی برابر کمک پہنچ رہی تھی اور لڑنے والوں کی تعداد بڑھتی ہی جاتی تھی لیکن مقامی مجاہدین میں جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ لوٹ مار کا شوق غالب تھا۔ اور ان پر ضبط و نظم رکھنا بھی دشوار تھا تاہم سکھوں کے خلاف ایک بے پناہ جوش و خروش تھا۔ رنجیت سنگھ کی مسلح اور باقاعدہ فوج بھی ان کا کچھ بگاڑ نہ سکی۔ انہوں نے پنج تار پر بھی دو حملے کیے، مگر کسی میں کامیابی نہیں ہوئی۔ اس کے بعد رنجیت سنگھ کی طرف سے صلح کی کوشش کی گئی۔ اور اس نے یوسف زئی علاقہ کی پیش کش کی۔

سیّد صاحب نے صلح کی شرط یہ رکھی کہ پنجاب میں مسلمانوں کی مذہبی آزادی کا اطمینان دلایا جائے۔ اس پر صلح کی گفتگو ختم ہو گئی۔ اب رنجیت سنگھ نے حکمتِ عملی سے کام لیا۔ اور خود پشاور آیا۔ جہاں دو کابلی سردار یار محمد اور اس کا بھائی سلطان محمد حکومت کے مدعی تھے۔ رنجیت سنگھ نے ان کا دعویٰ تسلیم کر لیا۔ فوجی اور مالی امداد بھی دی۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ دو تین سال تک مسلمان آپس میں ہی لڑتے رہے۔ اس سلسلہ میں کئی معرکے ہوئے۔ ان میں کبھی سید صاحب کو فتح ہوتی کبھی شکست۔ مگر اس کے باوجود ان کا اثر و اقتدار وسیع ہوتا گیا۔ وادیٔ کاغان اور کشمیر کے مغربی اضلاع کے لوگ آئے، سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی اور التجا کی کہ وہ ان علاقوں میں تشریف لائیں۔ پشاور کے خوانین سے فیصلہ کن معرکہ ۱۸۳۰ء میں موضع مہیار کے میدان میں لڑا گیا۔ اس میں سید صاحب کو مکمل فتح ہوئی۔ یار محمد مارا گیا۔ سلطان محمد نے ہتھیار ڈال دیے اور بیعت کی تجدید کی۔ مجاہدین فاتحانہ شہر پشاور میں داخل ہوئے اور حکومت شرعیہ قائم ہو گئی۔ شرع کے مطابق مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لئے مولوی مظہر علی صاحب عظیم آبادی پشاور شہر کے قاضی مقرر ہوئے۔ انہوں نے سیّد صاحب کے حسب دلخواہ احکام شریعت نافذ کئے۔ شہر میں بھنگ، چرس اور افیون وغیرہ کی دکانیں بند ہو گئیں۔ شراب کی بھٹیاں اور شراب فروش ناپید ہو گئے۔ ہزاروں فاحشہ عورتیں اپنے اپنے گھروں میں چھپ گئیں یا شہر چھوڑ گئیں۔ سید صاحب نے بیرونجات سے تحصیل عشر اور انتظام ملک کے لئے جا بجا تحصیلدار مقرر کر دیئے اور قبائل کی معاشرتی اصلاح کے لئے احکام جاری کر دیئے

سیّد صاحب کو اب بہت قوت حاصل ہو گئی تھی۔ اور پشاور کی فتح پنجاب کی فتح کا پیش خیمہ سمجھی جاتی تھی۔ انہوں نے امب کو اپنا مستقر بنا لیا تھا۔ جہاں سے ہزارہ اور مظفر آباد پر زد پڑتی تھی۔ یہ دونوں ان دنوں سکھوں کے قبضہ میں تھے۔

سید صاحب تو اصلاحی کوششوں میں مصروف تھے۔ اور ان کے مخالف لوگوں کو طرح طرح سے بہکا رہے تھے۔ بعضوں کو دربار لاہور کے زور مال نے کھینچ لیا تھا۔ بعضوں کو سید صاحب کی اصلاحی کوششوں کو وہابی عقاید کا نام دے کر اکسایا گیا۔ پشاور کے علماء نے بھی سید صاحب کے خلاف فتوے دیئے۔ چنانچہ ملک بھر کے خوانین نے جو اب تک سید صاحب کے ساتھ تھے حاکم پشاور کے ایماء پر یہ سازش کی کہ جس قدر مجاہدین بغرض تحصیل عشر اور انتظامِ ملک جا بجا متعین ہیں انہیں ایک ہی رات میں قتل کر دیا جائے جس رات کو یہ قتل مقرر ہوا تھا اسی شام کو حسب اشارہ مقررہ سابق ہر گاؤں میں نقارے بجائے گئے اور اونچے مکانوں پر آگ جلائی گئی اس رات کو بوقت عشا جب یہ اللہ کے مخلص بندے ادائے نماز میں مشغول تھے ان کا قتل شروع ہوا۔ کوئی سجدہ میں، کوئی رکوع میں، کوئی قیام میں شہید ہوا۔ کسی گاؤں میں آدھی رات کو۔ کسی میں قبل از فجر اور بعض گاؤں میں عین فجر یہ مجاہد شہید کئے گئے۔ قاضی سید مظہر علی کی گردن سلطان محمد کے حکم سے ماری گئی۔ صرف دو چار تھے جو اس خونی سازش سے بچ نکلے۔

سید صاحب پر اس حادثہ کا جو اثر ہوا ہو گا وہ ظاہر ہے مگر زیادہ رنج

اور صدمہ کی بات یہ تھی کہ حکومت شرعی اور خلافت الٰہی کا بلند و گرامی تصوّر خود مسلمانوں کے نفاق سے درہم برہم ہو گیا۔ اس مایوسی سے سیّد صاحب نے اس علاقہ کو چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ افغان مریدوں نے لاکھ جانثاری کے وعدے کئے، مگر انہوں نے ارادہ نہ بدلا۔ ہندی مجاہدین کو اجازت دے دی گئی کہ جس کا جی جہاں چاہے چلا جائے۔ مگر غالباً کسی نے آپ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ اب سیّد صاحب بھی شاید شہادت پانے کے لئے بے قرار تھے۔ اس جذبہ سے سکھوں کے علاقہ میں گھس گئے۔ ارادہ یہ تھا کہ کشمیر کو رنجیت سنگھ کے قبضہ سے نجات دلائیں اور ممکن ہو تو اسے اسلامی حکومت کا مرکز بنائیں ۱۸۳۱ء میں دریائے سندھ کو عبور کیا اور ضلع ہزارہ کے موضع راج دواری میں پڑاؤ ڈالا۔ آپ یہاں مقیم تھے کہ راجہ شیر سنگھ کا لشکر اس طرف آیا اور اس نے بالاکوٹ کے قلعہ پر جو لاہور کے راستہ پر زد ڈالتا تھا۔ قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ قلعہ دار سردار حبیب اللہ خاں نے سیّد صاحب سے مدد کی درخواست کی۔ مجاہدین کے بر وقت آنے سے قلعہ بچ گیا۔ مگر اس کے ساتھ ہی وہ باہر کی آبادی اور میدان میں گھر گئے۔ شیر سنگھ کی فوج بہت تھی۔ مگر مجاہدین نے بہادری سے مقابلہ کیا۔ آخر سکھوں کو فتح ہوئی اور انہوں نے بستی اور قلعہ کو لوٹ کر آگ لگا دی، سیّد اسمٰعیل علیہ الرحمۃ مولوی خیر الدین اور ارباب بہرام خاں سب اس معرکہ میں شہید ہوئے۔ سیّد صاحب نے بھی رتبۂ شہادت حاصل کیا۔

جس طرح افغانوں سرداروں کی بغاوت اور مخالفت سے شرعی حکومت کا منصوبہ درہم برہم ہو گیا، اسی طرح بالاکوٹ کی شکست نے منصوبۂ جہاد کو

برباد کر دیا۔ ایک مرتبہ پھر جماعتوں کا نفاق اور امراء کا اختلاف ایک بلند و عظیم مقصد کی کامیابی میں حائل ہُوا۔ پشاور کے پٹھان[۱] امراء اگر وفاداری سے کام لیتے تو آج برصغیر پاک و ہند کا نقشہ ہی دوسرا ہوتا ؂

ماٰخذ

تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت جلد دوم	سید ہاشمی فرید آبادی
موج کوثر	شیخ محمد اکرام
مسلمانوں کا عروج و زوال	سعید احمد

---

[۱] ۱۸۸۸ء میں جب انگریزوں نے اپنے آپ کو اور مضبوط کرنے کے لئے سرحدی قبائل اور خوانین کے ساتھ عہد و پیمان کئے (جو عہد و پیمان و سندات مصنّفہ پچیس کی جلد نو میں درج ہیں) تو پشاور اور ہزارہ میں دریائے سندھ کے آر پار تمام ملکوں سے اس بات کا تحریری وعدہ لیا کہ جہاں وہ انگریزوں کی ان تعمیرات اور سڑکوں وغیرہ کی حفاظت کریں گے وہاں وہ اُن ہندوستانی مذہبی "دیوانوں" کو اپنے نزدیک نہ آنے دیں گے اور اس بات پر کڑی نظر رکھیں گے کہ ان کے ہمدرد کون ہیں اور کہاں سے ان کو کسی قسم کی امداد پہنچتی ہے اس سے پہلے جہاں کہیں بھی انہیں شبہ ہُوا وہ ان کے مکانات جلا کر ان کو جلاوطن کرتے جاتے تھے۔ اس طرح اس تحریک کا خاتمہ ہو گیا۔ رولٹ رپورٹ میں تفصیل سے ذکر ہے کہ حکومت انگلستہ نے اپنے انتظامیہ میں اس بات کو مستقل طور پر شامل کر رکھا تھا کہ ان مذہبی "دیوانوں" کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جائے۔ اب روز بروز اس بات کی اہمیت بڑھتی جاتی ہے کہ یہی مذہبی دیوانے اصل میں محبان وطن تھے اور یہی شاہ ولی اللہ رح کی تحریک کہلاتی ہے ؂

شہادتِ عظمیٰ

۱۔ حضرت حسینؓ تاریخ عالم میں شریف ترین سیرت کے حامل ہیں۔ کربلا میں ان کی شہادت ایک ایسا تاریخی واقعہ ہے جس کی اہمیت اور عظمت روز بروز بڑھتی جاتی ہے انسان جن بڑی اور عظیم المرتبت شخصیتوں کی تعریف کرتے اور ان سے محبت کرتے ہیں، حسینؓ ان پاکیزہ ہستیوں میں سے ایک ہیں۔ ان میں شرافت، پاکیزگی، سادگی اور خلوص کی صفات مجتمع تھیں۔ جو لوگ دنیا میں انسانی محبت و عزت اور امن و سکون کے خواہشمند ہیں ان کے لئے یہ صفات ایک مستقل ذریعۂ الہام و حصول انسانیت و رواداری ہیں اور رہیں گی۔ یہ تمام اصول امام حسینؓ کی زندگی میں پائے جاتے ہیں۔

اور انہی کے لئے انہوں نے شہادت کی موت اختیار کی۔)

امیر معاویہ رضؓ کے انتقال کے بعد ان کا لڑکا یزید جس کی بیعت وہ اپنی زندگی ہی میں لے چکے تھے۔ تخت نشین ہوا۔ حضرت امام حسین رضؓ، حضرت عبداللہ رضؓ بن عمر اور حضرت عبدالرحمان بن ابی بکر رضؓ وغیرہ نے یزید کی ولی عہدی تسلیم نہیں کی تھی۔ اس لئے تخت نشینی کے بعد یزید کے سامنے سب سے اہم مسئلہ ان بزرگوں کی بیعت کا تھا۔ حضرت عبداللہ رضؓ بن عمر اور حضرت عبدالرحمان بن ابی بکر رضؓ سے تو کوئی خاص خطرہ نہیں تھا۔ البتہ حضرت امام حسین رضؓ اور حضرت عبداللہ رضؓ بن زبیر کی جانب سے دعوئ خلافت کا یقین تھا۔ اور یزید اس امر سے خبردار تھا کہ اگر ایسا ہوا تو حجاز اور عراق میں اس کے خلاف انقلاب برپا ہو جائے گا۔ لہٰذا تخت نشینی کے ساتھ ہی اس نے مدینہ کے حاکم ولید بن عتبہ کو حکم دیا کہ ان دونوں اصحاب کی فوراً بیعت لے لی جائے۔ چنانچہ ولید نے حضرت امام حسین رضؓ اور حضرت ابن زبیر رضؓ کو بلا بھیجا۔ ابھی تک معاویہ رضؓ کے انتقال کی خبر مدینہ نہ پہنچی تھی۔ لیکن دونوں بزرگوں کو قرائن سے اس کا اندازہ ہو گیا اور وہ سمجھ گئے کہ ان کو کیوں بلایا جا رہا ہے۔ دونوں بزرگ ولید کے پاس گئے۔ اس نے امیر معاویہ رضؓ کی موت کی خبر سنا کر انہیں یزید کے حکم سے مطلع کیا۔ حضرت امام حسین رضؓ نے انا للہ پڑھ کر مرحوم کے حق میں دعائے خیر کی اور پھر فرمایا :۔

"میرے جیسا آدمی چھپ کر بیعت نہیں کر سکتا اور نہ میرے لئے یہ زیبا ہے۔ جب عام لوگوں کو بیعت کے لئے

بلاؤ گے اس وقت میں بھی آجاؤں گا۔"

ولیمر راضی ہو گیا اور آپ واپس چلے آئے۔

حضرت امام حسینؓ یزید کی غیر شرعی روائتی بادشاہت تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ مدینہ میں بغیر بیعت کے قیام ناممکن تھا۔ لہٰذا آپ شعبان سنہ ۶۰ھ میں اپنے اہل وعیال کو لے کر مکہ روانہ ہو گئے۔ جب کوفہ والوں کو اس کا پتہ چلا تو انہوں نے امام حسینؓ کو قاصد پر قاصد بھیجے کہ آپ کوفہ آجائیں۔ سارا ملک آپ کی بیعت کرنے کو تیار ہے۔ حضرت حسینؓ نے اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ بھیجا کہ وہاں کے حالات معلوم کر کے اطلاع دیں۔ وہ کوفہ پہنچے تو سب لوگ حضرت امام حسینؓ کے حامی نظر آئے۔ انہوں نے حضرت حسینؓ کو لکھ دیا کہ کوفہ کے باشندے آپ کے منتظر ہیں۔ آپ تشریف لے آیئے!

اس اثنا میں یزید کے جاسوسوں نے دمشق اطلاع بھیج دی کہ مسلم بن عقیل کوفہ آگئے ہیں اور لوگوں کو برگشتہ کر رہے ہیں۔ یہ سن کر یزید نے ابن زیاد کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا۔ اس نے اہل کوفہ کو ڈرا دھمکا کر یزید کا حامی بنا لیا اور مسلم بن عقیل کو قتل کر دیا۔

مسلم نے حضرت امام حسینؓ کو جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے، کوفہ کی اطلاع دے کر آپ کو بلا بھیجا تھا۔ اس اطلاع پر آپ نے روانگی کی تیاری شروع کر دی تھیں۔ اہل مکہ اور حضرت حسینؓ کے عزیز کوفیوں کی تیاریاں پوری طرح واقف تھے، اس لئے انہوں نے جب آپ کو ان کی تیاریوں کا علم ہوا تو وہاں جانے سے روکا لیکن ان کی ساری کوششیں بیکار گئیں۔ اور حضرت

امام حسینؓ ذی الحجہ سنہ ۶۰ھ کو مع اہل و عیال مکہ سے کوفہ روانہ ہو گئے۔ مکہ سے نکلنے کے بعد فرزدق شاعر جو کوفہ سے آرہا تھا ملا اور اس نے کہا:۔

"کوفیوں کے دل آپ کے ساتھ مگر تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہیں۔"

یزید کو بھی آپ کی روانگی کی خبر مل چکی تھی۔ اس نے آپ کی نقل و حرکت کی اطلاع اور آپ کے اور اہل کوفہ کے درمیان نامہ و پیغام کا سلسلہ منقطع کرنے کے لئے تمام راستوں پر پہرہ بٹھا دیا تھا۔ چنانچہ آپ کا ایک قاصد جسے کوفہ کے حالات کی خبر لینے کے لئے بھیجا گیا تھا قتل کر دیا گیا۔ راستہ میں آپ کو ایک مسافر کی زبانی مسلم بن عقیل کے قتل کی خبر ملی۔ یہ خبر سننے کے بعد آپ کے ارادہ میں کچھ تغیّر ہوا۔ ہوا خواہوں نے بھی واپسی کے لئے اصرار کیا۔ لیکن اب مسلم کے بھائی مُصر تھے کہ ہم یا مسلم کے خون کا بدلہ لیں گے یا خود لڑ کر جان دے دیں گے۔ اس پر آپ نے فرمایا جب تم ہی نہ رہو گے تو میری زندگی کس کام کی۔ پھر آپ نے اپنے ساتھیوں کو جمع کیا اور فرمایا:۔

مسلم بن عقیل کے قتل کی خبر موصول ہو چکی ہے۔ ہمارے حامیوں نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ اس لئے تم میں سے جو شخص واپس ہونا چاہے وہ بخوشی واپس جا سکتا ہے۔ میری جانب سے اس پر کوئی الزام نہیں۔"

یہ سُن کر عوام کا ہجوم جو راستہ میں ہمراہ ہو گیا تھا الگ ہو گیا۔ اور صرف وہی جانثار باقی رہ گئے جو مدینہ سے آئے تھے۔ اس کے بعد سفر جاری رہا۔

جب یہ قافلہ مقام ذی حشم میں پہنچا تو حر بن یزید تمیمی ایک ہزار سپاہیوں کے ساتھ وہاں موجود تھا۔ ابن زیاد نے اسے اس مقصد سے بھیجا کہ حضرت امام حسین رضؓ کو گھیر کر اس کے پاس لے آئے۔ حضرت حسین رضؓ نے حُر سے کہا:۔

"میں خود سے نہیں آیا ہوں۔ بلکہ تم لوگوں کے خطوط اور آدمی آئے تھے کہ ہمارا کوئی امام نہیں ہے آپ آ کر ہماری رہنمائی کیجئے۔ اگر تم لوگ اس بیان پر قائم ہو تو میں تمہارے شہر چلوں، ورنہ یہیں سے لوٹ جاؤں" یہ کہہ کر آپ نے تمام خط حر کے سامنے رکھ دیئے۔

اس پر حر بولا:۔

"ہم کو اس سے بحث نہیں۔ ہمیں تو یہ حکم ملا ہے کہ جہاں کہیں مل جائیں۔ آپ کو لے جا کر ابن زیاد کے پاس پہنچا دیں۔"

یہ سن کر حضرت حسین رضؓ نے واپس جانا چاہا۔ حُر نے روکا۔ دونوں میں تیز گفتگو ہو گئی۔ لیکن حُر نے آپ کے مرتبہ کا پورا لحاظ رکھا اور عرض کیا۔

"اگر آپ میرے ساتھ نہیں چلتے تو ایسا راستہ اختیار کیجئے جو عراق اور حجاز دونوں کے راستہ سے جدا ہو میں ابن زیاد کو لکھتا ہوں، آپ یزید کو لکھیئے ممکن ہے مفاہمت کی کوئی صورت نکل آئے اور میں بھی آزمائش سے بچ جاؤں۔"

حضرت حسین رضؓ اس پر راضی ہو گئے۔ چنانچہ آپ ایک بے آب و گیاہ

میدان کربلا میں پہنچ گئے۔ اور وہاں یہ سارا قافلہ اترا۔

تیسری محرم کو عمر بن سعد چار ہزار فوج لے کر کربلا پہنچا۔ یہ حضرت حسین کا قریبی عزیز تھا۔ اسے رے کی حکومت کا لالچ دیا گیا تھا۔ اور اس لالچ میں آ کر اس نے یہ مہم اپنے سر لی تھی۔ لیکن اس کا ضمیر برابر ملامت کر رہا تھا۔ اس نے مفاہمت کی بڑی کوشش کی۔ اس نے ابن زیاد کو لکھا کہ حسینؓ واپس جانے کو تیار ہیں۔ لیکن وہاں سے حکم آیا کہ پہلے ان سے بیعت لے لو۔ اس کے بعد غور کیا جائے گا۔ اس کے بعد ہی دوسرا حکم پانی بند کر دینے کا پہنچا۔ اس حکم کے مطابق ۷ محرم سنہ ۶۱ھ کو عمرو نے دریائے فرات پر پہرہ بٹھا دیا۔

عمر بن سعد رے کی حکومت کے لالچ میں آ کر حضرت امام حسینؓ سے مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا تھا۔ مگر تلوار اٹھانے کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔ وہ اس امید پر جنگ کو ٹال رہا تھا کہ شاید مصالحت کی کوئی صورت نکل آئے۔ ابن زیاد کو بھی اس کا اندازہ ہو گیا۔ اس نے شمر ذی الجوشن کو اس حکم کے ساتھ بھیجا کہ اگر ابن سعد سے یہ مہم سر نہیں ہو سکتی تو اسے سر کرنے کا کام اس کے سپرد کر دیا جائے۔ ابن سعد کو یہ حکم ملا تو وہ با دل ناخواستہ تیار ہو گیا۔ اور محرم کی نویں تاریخ کو خود حضرت امام حسینؓ سے مل کر ان سے آخری گفتگو کی مگر یہ گفتگو بھی ناکام رہی۔

حضرت امام حسینؓ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا:-

"لوگو موعودہ وقت آ پہنچا اس لئے میں تم کو بخوشی واپس جانے کی اجازت دیتا ہوں۔ میرے اہل بیت کو ساتھ لے کر

لوٹ جاؤ۔"

عوام تو پہلے ہی الگ ہو چکے تھے۔ صرف خواص اور اعزہ باقی رہ گئے تھے۔ ان کی واپسی کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ سب نے جاں نثاری کا اظہار کیا۔ حضرت امام حسینؓ نے اہل بیت کے خیموں کی حفاظت کے انتظامات کر کے صبح کو بہتر جاں بازوں کی مختصر فوج مرتب کی اور علم حضرت عباسؓ کو عطا مرحمت فرمایا۔ جنگ شروع کرنے سے پہلے آپ نے خدا کے حضور میں یہ دعا کی:۔

"خدایا تو ہر مصیبت میں میرا بھروسہ اور ہر تکلیف میں سہارا ہے۔ مجھ پر جو وقت آئے ان میں تو ہی میرا پشت پناہ تھا۔ غم واندوہ میں دل کمزور پڑ جاتا ہے، کامیابی کی تدبیریں کم ہوجاتی ہیں اور رہائی کی صورتیں گھٹ جاتی ہیں، دوست ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ اور دشمن شماتت کرتے ہیں۔ میں نے ایسے نازک وقتوں میں سب کو چھوڑ کر تیری طرف رجوع کیا تجھی سے اس کی شکایت کی۔ تو نے مصائب کے بادل چھانٹ دئے اور ان کے مقابلہ میں میرا سہارا بنا۔ تو ہی ہر نعمت کا ولی ہر بھلائی کا مالک اور آرزو اور تمنا کا منتہی ہے۔"

اس کے بعد اتمام حجت کے لئے دشمنوں کو مخاطب کر کے تقریر فرمائی اس میں آپ نے بتایا کہ آپ کون ہیں۔ اپنے آنے کے اسباب بیان کئے اور واپسی کی اجازت چاہی۔ مگر دوسری طرف سے اس کی تکرار کی گئی کہ سب سے پہلے یزید کی بیعت کیجئے۔ حضرت حسینؓ نے جواب دیا:۔

"خدا کی قسم میں ذلیل کی طرح یزید کی بیعت کر کے غلام کی طرح اس کی خلافت تسلیم نہ کروں گا۔"

آپ کے بعد آپ کے ساتھیوں نے تقریریں کیں مگر دشمنوں پر ذرا اثر نہ ہوا۔ البتہ حر بن یزید تمیمی آپ کے ساتھ آ کر مل گیا۔

پھر جنگ شروع ہو گئی۔ پہلے ایک ایک آدمی میدان میں آیا اور حضرت حسینؓ کی فوج کے چند آدمی مارے گئے۔ اس کے بعد عام جنگ شروع ہو گئی۔ دونوں کی قوت میں کوئی تناسب نہیں تھا۔ ایک طرف چار ہزار مسلح سوار تھے اور دوسری کل بہتّر افراد، تاہم یہ بہتّر افراد بہادری سے لڑے۔ دوپہر تک حضرت حسینؓ کے بہت سے ساتھی کام آ چکے تھے۔

اب دن کا نصف حصّہ گزر چکا تھا۔ جب اصحاب حسینؓ شہید ہو چکے، بنو ہاشم میدان میں نکل آئے۔ علی الاکبر الحسین انیس سالہ بہت خوبرو نوجوان تھے۔ سب سے پہلے وہ دشمن کے مقابلہ کو نکلے اور اس شدّت کا حملہ کیا کہ دشمن کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ لیکن کب تک لڑتے۔ تھوڑی دیر کے بعد شہید ہو گئے بعد ازاں ایک ایک کر کے بنو ہاشم شہید ہوتے گئے۔

حضرت حسینؓ کو سخت پیاس لگ رہی تھی۔ آپ پانی پینے کے لئے دریائے فرات کی جانب بڑھے۔ ساتھ آپ کے بھائی عباسؓ بھی تھے۔ لیکن ابن سعد کے چند سواروں نے جن میں حصین بن نمیر بھی شامل تھا۔ ان کا راستہ روک لیا۔ حصین بن نمیر نے حضرت حسینؓ کے تیر مارا جو آپ کے منہ میں لگا آپ نے اسے کھینچ کر زمین پر پھینک دیا۔ زخم سے فوراً خون جاری ہو گیا اور آپ کی

ہتھیلی خون سے بھر گئی۔ اور خون آپ نے آسمان کی طرف پھینک دیا۔

اس کے بعد حضرت حسینؓ واپس آ گئے۔ پیاس سے ان کا برا حال ہو رہا تھا۔ دشمنوں نے عباسؓ کے گرد گھیرا ڈال لیا اور انہیں حضرت حسینؓ سے الگ کر دیا۔ عباسؓ نے تنہا ہی دادِ شجاعت دینا شروع کر دی مگر کب تک زخموں سے چور ہو کر گر پڑے اور اللہ میاں کو پیارے ہو گئے۔

جب حضرت حسینؓ اپنے خیمہ کی طرف واپس آ گئے تو دشمن کے چند سپاہی آگے بڑھے۔ مگر آپ نے انہیں پیچھے ہٹا دیا۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد وہ پھر آ گئے۔ اور آپ کو گھیر لیا۔ کندہ کے ایک آدمی نے آگے بڑھ کر آپ کے سر پر تلوار ماری جو آپ کی ٹوپی کاٹتی ہوئی پیشانی تک چلی گئی۔ سر زخمی ہو گیا۔ اور ٹوپی خون سے بھر گئی۔ اس وقت آپ کے ساتھ صرف تین چار ساتھی رہ گئے تھے۔ جلد ہی اُن کی باری بھی آ گئی۔ اور آپ اکیلے میدان میں رہ گئے۔ آپ کا سر اور بدن زخموں سے چور ہو چکا تھا۔ لیکن اس حالت میں بھی تلوار چلاتے تھے تو کسی شخص کی مجال نہ ہوتی کہ سامنے کھڑا رہ سکے۔ آپ جوش و خروش اور بہادری سے لڑ رہے تھے اور کہہ رہے تھے۔

"کیا تم لوگ میرے قتل پر مجتمع ہو گئے ہو۔ خدا کی قسم تم میرے بعد کسی ایسے شخص کو قتل نہ کرو گے جس کے قتل پر اللہ تعالےٰ اتنا ناراض ہو گا جتنا میرے قتل پر۔ خدا کی قسم مجھے پورا وثوق ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے عزت دے گا۔ اور تمہیں ذلت و خواری نصیب ہو گی۔ اللہ تعالیٰ تم سے ایسے

طریقوں سے انتقام لے گا، جن کا تم تصور بھی نہ کر سکو گے۔"

لڑائی ہوتی رہی۔ شمر بن ذالجوشن نے پیدل فوج کے پیچھے سوار لاکر کھڑے کر دیے اور تیر اندازوں کو حکم دیا کہ وہ تیر چلائیں۔ چنانچہ چاروں طرف سے حملہ کر دیا گیا۔ ذرعہ بن شریک تمیمی نے آپ کے بائیں بازو پر تلوار ماری اور اُسے کاٹ ڈالا۔ دوسرے شخص نے آپ کے کاندھے پر تلوار چلائی اور آپ زمین پر گر پڑے۔ خولی بن یزید الاصبحی نے آگے بڑھ کر آپ کا سر کاٹ ڈالا۔ شہادت کے بعد دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ آپ کے بدن پر تیروں کے زخموں کے علاوہ نیزوں کے تینتیس اور تلوار کے چونتیس زخم تھے۔

اس کے بعد عمر بن سعد نے پکار کر کہا کہ حسین رضؓ کی لاش کو روندنے کے لئے کون کون تیار ہے! دس آدمیوں نے اپنے نام پیش کئے۔ اور اپنے گھوڑوں کے سموں سے آپ کے جسم کو پارہ پارہ کر دیا۔

دن کا آخری حملہ تھا۔ سورج زیادہ دیر تک یہ ہولناک منظر نہ دیکھ سکا اور خون آلود افق میں غائب ہو گیا۔

اور اس طرح حضرت حسین علیہ السلام نے حق کی خاطر میدان کربلا میں اپنے عزیزوں کی جانیں قربان کر دیں اور دین میں ایثار و قربانی کا وہ نمونہ پیش کیا جس پر مسلمان ہمیشہ ناز کرتے رہیں گے۔

ماخذ

حسین دوسروں کی نظر میں — مکتبہ احباب

شہادت حسینؑ — مولانا ابو الکلام آزاد

فتنۂ الکبریٰ

شہادت حضرت عثمان غنی رضہ

وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف پچیس سال بعد مسلمانوں کی دارالخلافت مدینہ منورہ میں خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان دن دہاڑے شہید کر دئے گئے۔ اس سلسلہ میں جو اختلافات پیدا ہوئے ان کا نتیجہ یہ نکلا کہ منصبِ خلافت کا فیصلہ رائے عامہ کی بجائے زبان خنجر سے ہونے لگا۔ اسلامی نظام حکومت جس کی اساس شوریٰ تھی درہم برہم ہو گیا۔

حضرت عمرؓ فاروق نے سفر آخرت اختیار کرنے سے پہلے بہت غور و فکر کے بعد عہدۂ خلافت کے لئے چھ صحابہ کے نام پیش کیئے تھے کہ ان میں سے کسی کو منتخب کر لیا جائے۔ یہ چھ صحابہ حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت سعد بنؓ وقاص، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف تھے۔ حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد تیسرے

روز حضرت عثمان رضؓ کو خلیفہ منتخب کر لیا گیا اور آپ نے دنیائے اسلام کی عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔

حضرت عثمان رضؓ کے عہدِ خلافت کے پہلے چھ سال کامل امن و امان سے گذرے۔ مگر آخری چھ برسوں میں بڑا فتنہ و فساد پیدا ہوا۔ بات اصل میں یہ ہے کہ اس زمانہ میں بہت سی قومیں مسلمان ہو گئی تھیں۔ اور ان میں بعض شریر اور منافق لوگ بھی تھے۔ حضرت عثمان رضؓ کی طبیعت میں سخت گیری نہ تھی۔ رفتہ رفتہ فتنے بڑھتے گئے۔ اور بصرہ، کوفہ اور مصر کے شرارت پسندوں نے انہیں خوب ہوا دی۔ ان کا مطالبہ یہ تھا کہ حضرت عثمان رضؓ خلافت سے دست بردار ہو جائیں مصر سازش کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن یہودی تھے۔ چنانچہ ایک یہودی النسل نومسلم عبداللہ بن سبا نے اپنی حیرت انگیز سازشانہ قوت سے مفسدوں کو ایک مقصد پر جمع کر دیا تھا۔ یعنی حضرت عثمان رضؓ کی معزولی مدینہ بھی مفسدوں سے خالی نہ تھا۔ لیکن چونکہ یہاں بڑے بڑے صحابہ رضؓ حضرت عثمان رضؓ کے ساتھ تھے۔ اس لئے علانیہ اس جماعت کا کوئی اثر نہ ہوا البتہ آخیر عہد یعنی ۳۵ھ میں جس سال حضرت عثمان رضؓ شہید ہوئے، مدینہ کے مفسد اس قدر بیباک و گستاخ ہو گئے تھے کہ بیرونی مفسدوں کی مدد سے انہیں خود امیر المومنین پر بھی دستِ ستم دراز کرنے کی جرأت ہو گئی۔ چنانچہ ایک روز حضرت عثمان رضؓ حسب سابق گھر سے نکلے اور معمول کے مطابق نماز پڑھا کر منبر پر بیٹھ گئے اور خطبہ شروع کیا۔ اس خطبہ کے دوران میں آپ نے فرمایا :

"اے دشمنو! خوفِ خدا سے ڈرو۔ خدا کا خوف رکھو

بخدا اہل مدینہ جانتے ہیں کہ تم لوگ رسول خداؐ کے فرمان
کے مطابق ملعون ہو۔لہٰذا اپنی خطاؤں کو نوش عملی کی مدد
سے محو کر دو۔کیونکہ خدائے عزّوجل بدی کو صرف نیکی ہی
کے ذریعہ مٹاتا ہے۔"

اس پر ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا :۔
"عثمان کتاب اللہ کو اپنا طرز عمل بنا۔"

حضرت عثمانؓ نے نرمی سے کہا بیٹھ جاؤ مگر دوسری مرتبہ پھر کھڑے ہو کر اس نے وہی جملہ دہرایا۔آپ نے پھر بیٹھنے کو کہا۔تین بار اس نے اس طرح خطبہ کے درمیان برہمی پیدا کی۔آپ نے ہر بار نرمی سے بیٹھنے کو فرمایا۔لیکن سازش پہلے سے ہو چکی تھی۔مفسدوں نے ہر طرف سے آپ کو گھیر لیا۔اور سنگریزے اور پتھروں کی اس قدر بارش کی کہ خلیفۂ رسول زخموں سے چور چور ہو کر منبر سے فرش خاک پر گر پڑے۔اسی عالم میں آپ کو گھر پہنچا دیا گیا۔جہاں سے آپ پھر شہادت کے بعد ہی نکلے۔

مخالفوں اور مفسدوں سے مفاہمت اور مصالحت کی ہر کوشش ناکام ثابت ہوئی۔مگر حضرت عثمانؓ برابر اصلاح حال کی سعی کرتے رہے۔آپ نے تمام ملک میں یہ گشتی اعلان جاری کیا کہ :۔

"میں عموماً حج پر تمام عمال کو جمع کرتا ہوں اور جس
عامل کے خلاف کوئی شکایت پیش کی جاتی ہے، فوراً تحقیقات
کر کے تدارک کرتا ہوں۔لیکن باوجود اس کے معلوم ہوا ہے

کہ بعض عمال بے وجہ لوگوں کو مارتے ہیں۔ گالی دیتے ہیں
اور دوسرے طریقوں سے ظلم و تعدی کرتے ہیں۔ اس لئے یہ
اعلان عام ہے کہ جس کو مجھ سے یا میرے کسی عامل سے
کوئی شکایت ہو وہ حج کے موقعہ پر بیان کرے۔ میں کامل
تدارک کر کے ظالم سے مظلوم کا حق دلواؤں گا۔"

ادھر دربار خلافت میں اصلاح حال کی کوشش ہو رہی تھی۔ اور دوسری طرف ملک میں ایک عظیم الشان انقلاب کی سازش مکمل ہو چکی تھی۔ چنانچہ بصرہ کوفہ اور مصر کے مفسدوں نے آپس میں طے کر کے اپنے اپنے شہر سے حاجیوں کی وضع میں مدینہ کا رُخ کیا تاکہ حضرت عثمانؓ سے بزور اپنا مطالبہ تسلیم کرائیں چنانچہ انہوں نے حضرت عثمانؓ سے مسندِ خلافت سے کنارہ کش ہو جانے کا مطالبہ کیا لیکن آپ نے فرمایا :-

"جب تک مجھ میں رمق جان باقی ہے میں اس
خلعت کو جو خدا نے مجھے پہنایا ہے خود اپنے ہاتھوں سے نہیں
اتاروں گا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت
کے مطابق اپنی زندگی کے آخری لمحے تک صبر کروں گا۔"

یہ جواب سن کر مفسدوں نے آپ کے گھر کا نہایت سخت محاصرہ کر لیا جو چالیس روز تک مسلسل جاری رہا۔ اس عرصہ میں پانی تک اندر پہنچانا جرم تھا۔ یہاں تک کہ وہ اور ان کے اہل و عیال سخت پیاس کی تکلیف میں مبتلا ہو گئے۔ ایک دفعہ ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ نے کھانے پینے کی کچھ چیزیں حضرت عثمان تک

پہنچانے کی کوشش کی۔ مگر مفسد بڑے بڑے سرکش اور گستاخ ہو گئے تھے۔ انہوں نے رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حرم محترم کا بھی لحاظ نہ کیا اور بے ادبی کے ساتھ مزاحمت کر کے واپس بھیج دیا۔ ہمسایہ گھروں سے کبھی کبھی کھانے پینے کی اشیا پہنچ جاتی تھیں۔ مفسد صحابہ کرام کی پرواہ بھی نہیں کرتے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ کو بلا بھیجا۔ آپ نے جب امیر المومنین کے گھر کے اندر جانا چاہا تو مفسدوں نے ان کو روک دیا۔ حضرت علیؓ نے مجبوراً اپنا سیاہ عمامہ اتار کر قاصد کو دے دیا۔ اور کہا جو بات ہے اس کو دیکھ لو اور جا کر کہہ دو۔ اس وقت تین بڑے صحابہؓ حضرت علیؓ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ مدینہ میں موجود تھے یہ تینوں بزرگ نہ تو بے تعلق رہ سکتے تھے نہ ان حالات پر ان کو قابو تھا۔ ان تینوں نے کچھ کوششیں بھی کیں مگر اس ہنگامہ میں ان کی کون سنتا تھا۔ انہوں نے بہرحال اپنے صاحب زادوں کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لیے بھیج دیا۔ حضرت حسنؓ دروازہ پر پہرہ دیتے تھے اور حضرت عبداللہؓ ابن زبیر گھر کے اندر متعین تھے۔

حضرت عثمانؓ نے کئی بار مفسدوں اور باغیوں کو سمجھانے کی کوشش کی۔ ان کے سامنے موثر تقریریں کیں۔ ایک بار چھت کے اوپر سے آپ نے انہیں مخاطب ہو کر فرمایا:۔

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ آئے تو مسجد تنگ تھی۔ آپ نے فرمایا کہ کون اس زمین کو خرید کر وقف کرے گا۔ اس کے صلہ میں اس کو اس سے بہتر جگہ جنت میں ملے گی۔ تو میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی۔

تو کیا اس مسجد میں تم مجھے نماز نہیں پڑھنے دیتے۔ تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں، بتاؤ تم کیا جانتے ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو اس میں بیر رومہ کے سوا میٹھے پانی کا کوئی کنواں نہ تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو کون خرید کر عام مسلمانوں پر وقف کرتا ہے اور اس سے بہتر اس کو جنت میں ملے گا۔ تو میں نے اس کی تعمیل کی۔ تو اس کے پانی پینے سے مجھے محروم کر رہے ہو۔ کیا تم جانتے ہو کہ عسرت کے لشکر (یعنی جنگ تبوک) کو میں نے ہی ساز و سامان سے آراستہ کیا تھا"

سب نے جواب میں کہا یہ باتیں سچ ہیں۔ مگر ان پر اثر کچھ نہ ہوا۔ ایک دوسرے موقعہ پر حضرت عثمانؓ نے کہا:۔

"تم کو قسم دیتا ہوں۔ تم میں سے کسی کو یاد ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ پر چڑھے تو پہاڑ ہلنے لگا آپ نے پہاڑ کو پاؤں سے ٹھوکر مار کر فرمایا اے حرا ٹھہر جا کہ تیری پیٹھ پر اس وقت ایک نبی، ایک صدیق اور ایک شہید ہے۔ اور میں آپ کے ساتھ تھا"

مفسدوں نے کہا "ہاں یاد ہے"

آپ نے فرمایا:۔

"خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ بتاؤ حدیبیہ میں مجھے آپ نے مکہ کا سفیر بنا کر بھیجا تھا۔ تو کیا خود اپنے ایک دستِ مبارک

کو میرا ہاتھ قرار نہیں دیا اور میری طرف سے خود ہی بیعت
نہیں کی"

انہوں نے کہا ٹھیک ہے۔ مگر ان کے دل اس قدر سیاہ ہو چکے تھے کہ ان باتوں کا ان پر اثر ہی نہیں ہوتا تھا۔

آخر کئی روز کے بعد مفسدوں نے دیکھا کہ حج کا موسم چند روز میں ختم ہو جائے گا۔ اور اس کے ختم ہوتے ہی لوگ مدینہ کا رخ کریں گے۔ کہیں ایسا نہ ہو موقعہ ہاتھ سے نکل جائے۔ لہٰذا آپ کے قتل کے مشورے کرنے لگے۔ جب حضرت عثمانؓ نے یہ سنا تو پھر ایک دفعہ ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:۔

"لوگو! آخر کس جرم پر تم میرے خون کے پیاسے ہو، اسلام کی شریعت میں کسی کے قتل کی صرف تین ہی صورتیں ہیں۔ یا اس نے بدکاری کی ہو تو اس کو سنگسار کیا جائے یا اس نے بالارادہ کسی کو قتل کیا ہو تو وہ قصاص میں مارا جائیگا یا وہ مرتد ہو گیا ہو تو بھی وہ قتل کیا جائیگا میں نے نہ تو جاہلیت میں اور نہ اسلام میں کبھی بدکاری کی۔ نہ کسی کو قتل کیا اور نہ اسلام کے بعد مرتد ہُوا۔ اب بھی گواہی دیتا ہوں کہ خدا ایک ہے اور محمدؐ اس کے بندہ اور رسول ہیں،

مگر مفسد تھے کہ اس سے ٹس سے مس نہ ہوئے

حضرت عثمانؓ کے جاں نثاروں نے آپ کو کئی قسم کے مشورے دیئے، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ آپ کے دولت کدہ کے اندر

حفاظت کے لئے متعین تھے۔ اوران کے ساتھ سات سو جانباز تھے۔ وہ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔

"امیر المومنین رضؓ اس وقت گھر کے اندر ہماری کافی تعداد ہے۔ اجازت ہو تو ہم ان باغیوں سے لڑیں"۔

فرمایا:۔

"اگر کسی شخص کا بھی یہ ارادہ ہو تو میں اس کو خدا کا
واسطہ دیتا ہوں کہ وہ میرے لئے اپنا خون نہ بہائے"۔

حضرت زیدؓ بن ثابت نے آکر عرض کیا:۔

"امیر المومنینؓ انصار دروازہ پر کھڑے اجازت کے منتظر ہیں کہ وہ دوبارہ اپنے کارنامے دکھائیں"۔

فرمایا۔

"اگر لڑائی مقصود ہے تو اجازت نہ دوں گا۔ اس وقت میرا سب سے بڑا مددگار وہ ہے جو تلوار نہ اٹھائے۔

بالآخر باغیوں نے دولت کدہ پر حملہ کر دیا۔ حضرت امام حسینؓ جو دروازہ پر متعین تھے مداخلت کرتے ہوئے زخمی ہوئے۔ چار باغی چھت پر چڑھ گئے۔ آگے آگے حضرت ابوبکرؓ کے چھوٹے صاحبزادے محمد تھے۔ یہ کسی بڑے عہدہ کے طلبگار تھے اور اس کے نہ ملنے سے حضرت عثمانؓ کے خلاف ہو گئے تھے۔ محمد نے آگے بڑھ کر حضرت عثمان کی ریش مبارک پکڑ لی اور زور سے کھینچی۔ آپ اس وقت تلاوت قرآن میں مصروف تھے۔ آپ نے فرمایا:۔

"بھتیجے اگر تمہارے باپ زندہ ہوتے تو کیا کہتے؟"

یہ سن کر محمد بن ابی بکر شرما کر پیچھے ہٹ گئے، اتنے میں اور باغی آ پہنچے اور انہوں نے پے در پے نیزوں اور تلواروں کے وار لگا کر آپ کو شہید کر دیا، آپ کی بیوی حضرت نائلہ رضؓ نے جو پاس بیٹھی تھیں تلوار کا ایک وار ہاتھ پر روکا جس سے اُن کی انگلیاں کٹ گئیں۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے۔ حضرت عثمان رضؓ اس وقت قرآن کی تلاوت کر رہے تھے۔ قرآن مجید سامنے کھلا تھا۔ اس خونِ ناحق نے جس آیت کو خون ناب کیا وہ یہ ہے:-

"خدا تم کو بس ہے اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔" (البقرہ۔ ۱۵)

شہادت کا واقعہ جمعہ کے دن عصر کے وقت پیش آیا۔ دو دن تک لاش بے گور و کفن پڑی رہی۔ مدینہ میں قیامت برپا تھی۔ مفسدوں اور باغیوں کی حکومت تھی۔ ان کے ڈر سے کسی کو مدینہ میں دفن کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ آخر جب سینچر کا دن گذرا تو رات کو چند آدمیوں نے ہمت کر کے تجہیز و تکفین کی اور غسل دیا۔ اس طرح خون آلود پیراہن میں امیر المومنین رضؓ کا جنازہ اٹھایا۔ اور انہیں سپرد خاک کر دیا۔

اس سانحہ عظمیٰ کو صحابہ کرام رضؓ اور عام مسلمانوں میں سے کوئی بھی سننے کو تیار نہ تھا۔ کسی کو وہم و خیال تک نہیں تھا کہ مفسد اور باغی اس حد تک جرأت کریں گے۔ اس لئے جس نے سُنا وہ حیران و ششدر رہ گیا۔ لوگوں میں سناٹا چھا گیا۔ حضرت علی رضؓ، حضرت طلحہ رضؓ اور حضرت سعد رضؓ بن وقاص کو جب یہ خبر پہنچی تو

فسیکفیکھم اللہ وھو السمیع العلیم (سورۃ البقرہ)

پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ مفسدین نے سازش کا جو جال بچھایا تھا، اس میں وہ کامیاب ہو چکے تھے۔ متحد اسلام کئی فرقوں میں بٹ گیا اور ایسا تفرقہ پڑا جو اب تک موجود ہے اور شاید قیامت تک رہے گا۔ دشمنوں نے وحدتِ اسلامی کے قصرِ رفیع میں ایسا شگاف پیدا کیا جو پھر پُر نہ ہو سکا۔ عقبائے وحدتِ اسلامیہ پارہ پارہ ہو گئی۔

مآخذ

فتنۃ الکبریٰ	طٰہٰ حسین
تاریخ اسلام حصہ اوّل	شاہ معین الدین احمد
مسلمانوں کا عروج و زوال	سعید احمد
تاریخ الامت	مولانا اسلم جیراج پوری

بغداد میں قتل

جواں سال شاہ فیصل اور ان کے خاندان کا قتل

[۱۴ جولائی ۱۹۵۸ء کی صبح کو بغداد میں شاہ فیصل، ان کے ولی عہد، شاہی خاندان کے افراد اور عراق کے وزیر اعظم بڑی بے رحمی سے جس طرح قتل ہوئے اس سے دنیائے اسلام میں شدید رنج و غم کا اظہار کیا گیا۔ ترقی و تہذیب کے اس زمانہ میں بربریت کی ایسی مثالیں بہت کم ملتی ہیں۔]

بغداد کے ہوائی اڈہ پر رسم کے مطابق شاہی خیمے نصب تھے۔ اور لوگ جواں سال بادشاہ اور اس کے وزیر اعظم کے منتظر تھے۔ آٹھ بجے ان کی روانگی کا وقت تھا۔ آٹھ بج گئے، سوا آٹھ اور ساڑھے آٹھ، مگر وہ نہیں پہنچے اور نہ ان کی اس تاخیر کی کوئی وجہ معلوم ہوئی۔ لوگ بے چین اور فکر مند ہو گئے۔ مگر تقدیر میں یہ لکھا تھا کہ بادشاہ اور ان کے ساتھی کبھی وہاں نہیں پہنچ سکیں گے۔

۱۳ر جولائی کی سہ پہر کو عراق کی بکتر بند فوج بغداد کے ارد گرد متعین تھی اس کی بیسویں بریگیڈ کرنل عبدالسلام محمد عارف کی زیر سرکردگی مشرق کی طرف ایرانی سرحد کے قریب تھی۔ اور اس کی انیسویں بریگیڈ عبدالکریم القاسم کے زیر کمان باکبہ کے آگے شمالی جانب کوئی چالیس میل کے فاصلہ پر تھی۔ ان دونوں بریگیڈوں کو یہ حکم ملا تھا کہ وہ اردن کی طرف روانہ ہوں۔ اب ایسا کرنے سے دریا کے مغربی کنارہ پر سے فیصل برج سے ہو کر بغداد میں سے گذرنا تھا۔ سہ پہر کے کوئی تین بجے عارف کے ٹینکوں نے پل کو عبور کیا اور شہر میں داخل ہوئے۔ اب بجائے اس کے کہ وہ شہر میں گذر کر اردن کا رخ کرتے، جیسا کہ انہیں حکم ملا تھا۔ یہ ٹینک ان اہم مقامات کی طرف بڑھے جو اس سڑک پر واقعہ ہیں جو فیصل کے مجسمہ سے مغرب کی طرف جاتی ہے۔ یہ اہم مقامات ریلوے اسٹیشن اور براڈ کاسٹنگ اسٹیشن تھے۔ لوگوں کو تعجب تھا کہ ٹینک اِدھر کہاں۔ مگر عارف نے بڑی ہوشیاری اور چابکدستی سے ان اہم مقامات پر قبضہ کر لیا۔ اصل میں یہ انقلاب کی ابتداء تھی۔ جس کا علم سوائے انقلابیوں کے اور کسی کو نہ تھا۔ انقلابیوں کے ہاتھ میں ریڈیو کے آنے کا مطلب یہ تھا کہ انہیں ایک زبردست ذریعہ مل گیا ہے جس سے وہ جس قسم کی چاہیں خبریں اور اطلاعات نشر کر سکتے ہیں۔ ریڈیو پر قبضہ کرنے کے ساتھ ہی فوجی دستے وزیر اعظم نوری السعید کے مکان کی طرف بڑھے۔ صرف فیصل کے مجسمہ کے قریب ان کی مزاحمت ہوئی۔ یہاں پولیس نے چند منٹوں کے لئے اپنے فرائض سرانجام دینے کی کوشش کی۔ اس دوران میں انقلابیوں نے ریڈیو پر یہ خبر نشر کر دی کہ ولی عہد، جنرل فوزی، ان کا بیٹا صباح اور ڈاکٹر فاضل جمال

کو قتل کر دیا گیا ہے۔ مگر یہ خبر صحیح نہیں تھی۔ صرف ڈاکٹر جمال گرفتار ہوئے تھے۔ اس خبر سے مقصد یہ تھا کہ شہر میں افراتفری پھیل جائے۔ اور لوگ ڈر جائیں۔

انقلاب کی اسکیم دونوں بریگیڈرز نے بنائی تھی اور سوچ بچار میں یقیناً کئی ہفتے لگے ہوں گے۔ مگر کسی طرح انہوں نے اسے پوشیدہ رکھا اور کسی کو اس کا پتہ نہ چل سکا، بڑا تعجب خیز امر ہے اور ابھی تک اس راز پر پردہ پڑا ہوا ہے جنرل وغستانی اور چیف آف دی جنرل اسٹاف جنرل رفیق عارف قاسم کو بہت اچھی طرح جانتے تھے اور اسے پسند کرتے تھے۔ یہ صحیح ہے کہ قاسم میں ایک قسم کی کشش اور جاذبیت پائی جاتی تھی۔ مگر کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ نہیں تھا کہ وہ انقلاب کی کوئی سکیم وضع کر سکتے ہیں اور اس پر عمل بھی کر سکتے ہیں۔ جہاں تک ان کے ماتحت سپاہیوں کا تعلق ہے ۱۴ر جولائی سے قبل اس سازش کا علم نہیں تھا۔ اور اصل میں اس صبح کو یہ فیصلہ ہوا تھا کہ اس اسکیم پر عمل کرنے کا یہی وقت ہے۔ اور پھر ایسا وقت ہاتھ نہیں آئے گا۔

اس وقت کے حالات اور سیاسی تغیر نے انقلابیوں کی بڑی امداد کی۔ عراق وار دن کی فیڈرل یونین کی وجہ سے عراق فوری ضروریات کے سبب اپنے کئی قابل اشخاص سے محروم ہو گیا تھا۔ نوری السعید بھی زیادہ اہم مسائل کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ اور مقامی مسائل کی طرف سے ان کی توجہ کافی ہٹ گئی تھی۔ نامزد وزیر اعظم احمد مختار بھی کمزور تھے۔ اور امید نہیں تھی کہ وہ کسی طرح سے بھی انقلابیوں کی پرزور مزاحمت کریں گے۔ مزید عین اس موقع پر حکومت کے وزراء ہوائی اڈہ پر ملک معظم کو جو ترکی جا رہے تھے۔ الوداع کہنے کے لئے چلے گئے اور انہیں

بالکل پتہ نہیں تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔

پانچ بجے صبح کرنل عارف کے ٹینک قصر شاہی میں پہنچ گئے۔ ان کے ساتھ غنڈوں اور بدمعاشوں کی ایک کثیر تعداد تھی، جنہیں جیل خانہ سے رہا کر کے ٹرکوں پر لاد کر بغداد لایا گیا تھا۔ ان کے علاوہ ایک ہجوم بھی وہاں جمع ہو گیا تھا۔ جس میں وحشیانہ جوش و خروش پایا جاتا تھا اور وہ خون خرابہ کرنے کو تیار تھے اور بغداد ریڈیو سے لوگوں کو اس قسم کی حرکت پر اکسایا جا رہا تھا۔ بریگیڈیر قاسم اور ان کے ساتھیوں کا بیان ہے کہ ان کا منشا ہرگز قتل و ہلاکت سے نہیں تھا اور ممکن ہے یہ صحیح ہی ہو۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کا اسٹاف ریڈیو سے برابر عوام کو جوش دلا رہا تھا۔ اگر انہیں سختی سے منع کر دیا جاتا کہ بادشاہ اور شاہی خاندان کے افراد کو صرف گرفتار کرنا مقصود ہے انہیں کسی قسم کا گزند پہنچانا مقصود نہیں، تو بادشاہ اور کئی زندگیاں اور بچ سکتی تھیں۔

بہر حال قصرِ شاہی کو گھیر لیا گیا۔ کچھ دیر تک سنتریوں نے مزاحمت اور مقابلہ کیا۔ دونوں طرف سے فائر بھی ہوئے۔ گولیوں کی آواز سُنکر بادشاہ، ان کا چچا اور خاندان کے چند افراد اور ملازم باہر دوڑے آئے۔ بادشاہ کی رگوں میں ہاشمی خون دوڑ رہا تھا۔ اور وہ خطرہ سے ڈرنے والے نہیں تھے۔ اب یا تو قصرِ شاہی کے سنتریوں کے گولی چلانے پر سپاہی برافروختہ ہو گئے یا سپاہیوں نے دانستہ بادشاہ اور ان کے ساتھیوں کو مار گرایا، یہ صحیح طور سے نہیں کہا جا سکتا۔ ایک بیان یہ ہے کہ ولی عہد نے سب سے پہلے اپنا ریوالور نکال کر گولیاں چلائیں۔ بہر حال ایک مشین گن حرکت میں آئی اور بادشاہ ولی عہد، ولی عہد

کی والدہ اور دو ملازم فرش خاک پر گر کر تڑپتے لگے اور تڑپتے تڑپتے ٹھنڈے ہو گئے۔ دو خوفزدہ بچے جو گولیوں کی بوچھاڑ سے بچ گئے تھے، بے تحاشہ بھاگ کر اندر گئے اور شہزادی عابدہ سے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں واقعہ بیان کیا۔ چند منٹوں کے بعد یہ تینوں بھی ہلاک کر دئے گئے۔

معلوم ہوتا ہے کہ مقامی کمانڈر نے دفعتاً اپنے جرم کو محسوس کیا۔ اُس نے ولی عہد کی لاش کو مجمع کے حوالہ کر دیا تاکہ بادشاہ کے قتل سے اُن کی توجہ ہٹ جائے، ولی عہد کو عوام میں کوئی خاص ہر دلعزیزی حاصل نہیں تھی۔ لوگوں نے ان کی لاش کو گلیوں اور بازاروں میں گھسیٹا۔ اور اس کی بڑی بے حرمتی کی۔ بادشاہ کی لاش کو ایک قالین میں لپیٹ کر پوشیدہ طور سے محل سے باہر لے جا کر ایک نامعلوم جگہ دفن کر دیا گیا۔

نوری السعید نے حقیقتاً گولیوں کی ان آوازوں کو سُنا ہو گا، جو فیصل کے مجسمہ کے گرد چلی تھیں اور انہوں نے یہ نتیجہ نکال لیا ہو گا کہ کیا ہونے والا ہے۔ وہ اس وقت چپکے سے دریا کے کنارے گئے۔ ایک کشتی کے ذریعہ اسے عبور کیا اور مشرقی کنارہ پر جا پہنچے۔ وہاں سے انہوں نے اپنے ایک قدیم دوست صادق السیام کے گھر کا رُخ کیا۔ بعد میں صادق کو نوری السعید کو پناہ دینے کے جرم میں اٹھارہ ماہ قید کی سزا ہوئی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ نوری نے دریا عبور کرنے میں اپنی موٹر بوٹ استعمال کی تھی۔ مگر یہ صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ اس وقت پلوں پر بڑا ہجوم تھا اور موٹر بوٹ یقیناً ان کی توجہ کا باعث ہوتی۔ صادق السیام کے گھر سے بذریعہ موٹر وہ ایک اور دوست محمود الاسترباری کے گھر گئے۔ جو وہاں

سے دو میل کے فاصلہ پر تھا۔ استر آبادی کی عمر اس وقت ۸۳ برس کی تھی۔ سیاسی اعتبار سے اب ان کا کہیں شمار نہیں تھا۔ ایک رات اور ایک دن نوری نے اپنے اس دوست کے ہاں بسر کیا۔ ۱۵ر جولائی کی صبح کو وہ استر آبادی کی بیوی کے ساتھ جو بیگم نوری کی گہری سہیلی تھیں، وہ وہاں سے روانہ ہوئے۔ ایک بوڑھی ایرانی ملازمہ بھی ان کے ساتھ تھی۔ نوری نے زنانہ لباس پہن رکھا تھا۔ بغداد میں سے کسی ایسی کار کا گزرنا جس میں تین عورتیں بیٹھی ہوں کوئی ایسی بات نہیں تھی جو کسی کے لئے بدگمانی یا تجسس کا باعث ہو۔ کہا جاتا ہے کہ اس مختصر سی جماعت کی منزل مقصود ایک دولت مند تاجر جواد جعفر کا گھر تھی۔ جواد جعفر قابل و لائق وزیر ترقیات جعفر کا بھائی تھا۔ اگرچہ جواد سیاسیات سے بالکل وابستہ نہیں تھا۔ لیکن ایک ممتاز وزیر کے بڑے بھائی ہونے کی وجہ سے اس کا گھر زیر نگرانی ہو سکتا تھا۔ یہ امر کہ جواد نے نوری کو پناہ دینے سے صاف انکار کر دیا مشتبہ ہے۔ مگر یہ تکلیف دہ صورتِ حالات دیکھ کر یہ جماعت خود بخود واپس ہو گئی۔

راستہ میں ایک جگہ زیادہ آمدرفت کے سبب ان کی کار کو رکنا پڑا۔ ایک روایت یہ ہے کہ نوری کو عراقی ایر فورس کے ایک سارجنٹ نے پہچان لیا۔ اور یہ دیکھ کر کہ اس کی ترقی کا یہ زرّیں موقعہ ہے ان پر فائر کر دیا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ ایک نوجوان نے دیکھا کہ موٹر میں ایک عورت کے برقعہ کے نیچے سے مردانہ پاجامہ باہر نکلا ہوا ہے۔ اس نے سوچا ہو نہ ہو نوری زنانہ لباس میں فرار ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔ واقعہ کچھ بھی ہو وہ ہلاک کر دیئے گئے۔ ان کے

بعد ان کی لاش ہجوم میں پھینک دی گئی۔ اور اس کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ نہایت شرمناک ہے اور اس کا ذکر نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ اس سے پہلے جب یہ پتہ چلا کہ جنرل نوری السعید بچ کر نکل گئے تو ان کے سر کی دس ہزار پونڈ قیمت مقرر کی گئی۔ کسی نے بھی اس انعام کا مطالبہ نہیں کیا۔ ان کی تلاش میں مجمع نے ان کے صاحبزادے صباح کو پہچان لیا اور قتل کر ڈالا۔

جوں جوں دن چڑھتا گیا بریگیڈیر قاسم پر یہ امر واضح ہو گیا کہ اگر وہ اور اُن کے ساتھی سختی نہیں کریں گے تو بغداد شام ہونے سے پہلے ہجوم کے ہاتھ میں ہوگا۔ بغداد ہوٹل میں تو قتل و غارت کی ابتدا بھی ہو چکی تھی۔ اور کئی بے گناہ لوگ مارے گئے تھے۔ بالآخر شام کو کرفیو نافذ کر دیا گیا۔ جو کئی ہفتوں تک رہا۔ لندن اور واشنگٹن کو دوستی اور اچھے رویہ کا یقین دلایا گیا۔ یہ بھی کہا گیا کہ تیل کی بہم رسانی جاری رہے گی اور تیل کمپنیوں کو قومی ملکیت بنانے کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ دن گزرتے گئے۔ اعتماد اور امن کی فضا پیدا ہوتی گئی۔ بنک کھل گئے اور ایک ایک کر کے ساری دنیا کی قوموں نے عراق کی نئی حکومت کو تسلیم کر لیا۔ مگر لوگ بادشاہ اور شاہی خاندان کے افراد کے وحشیانہ قتل کو کبھی فراموش نہیں کریں گے ؛

ماخذ

نوری السعید — لارڈ بروڈ

مُرغِ گرفتار کی پہلی ناکام تڑپ

[انگریزوں نے مصر کو کسی قانونی اور اخلاقی جواز کے بغیر ۷۲ برس تک اپنے قبضہ میں رکھا۔ ۱۸۸۲ء میں وہ اس ملک میں داخل ہوئے اور ۱۹۵۴ء میں جمال عبدالناصر اور ان کے ساتھیوں نے انہیں یہاں سے نکلنے پر مجبور کیا۔ اس دوران میں انگریزوں کے تسلّط سے نجات حاصل کرنے کے لئے کئی کوششیں ہوئیں، جن میں سے اعرابی پاشا کی .. کوشش کو خاصی اہمیت حاصل ہے۔ اگر وہ کامیاب ہو جاتے تو شاید انگریز مصر میں داخل نہ ہو سکتے۔ مگر یہ افسوس ناک امر ہے کہ ان کے اپنے افسروں اور خدیو مصر کی غدّاری سے انہیں ناکامی سے دوچار ہونا پڑا۔]

محمد علی والیٔ مصر کے جانشینوں میں اسماعیل پہلا شخص تھا۔ جس نے سلطان عبدالعزیز سے ۱۸۶۷ء میں خدیو مصر کا لقب حاصل کیا۔ اسماعیل ایک روشن خیال حکمران تھا۔ اور اس کے پیش نظر اصلاحات کی ایک اسکیم تھی۔ چنانچہ اس نے کئی اصلاحیں کیں۔ اور ترقی کی طرف قدم بڑھایا مگر اس نے یہ نہ دیکھا کہ اس کے پاس کتنی چادر ہے۔ چنانچہ اس کی یہ اصلاحات اور ترقیاں مصر کے حق میں تباہ کن ثابت ہوئیں۔ اور نہ صرف خزانہ خالی ہوگیا بلکہ قرضہ لینے کی نوبت آگئی۔ اصلاحات کے ساتھ ہی اس نے سوڈان اور ایبے سینیا سے جنگ شروع کر دی۔ ان مہموں میں جہاں ہزاروں جانیں ضائع ہوئیں وہاں لاکھوں روپے بھی صرف ہوئے۔ اس طرح قرضہ کی مقدار میں اضافہ ہوتا گیا۔ وہ یہ قرضہ یورپ کے ساہوکاروں سے حاصل کرتا تھا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ ان ساہوکاروں نے مصر کی حالت دیکھ کر قرضہ دینے سے انکار کر دیا۔ مصر پر اپنا تسلط جمانے کے لئے بھلا برطانیہ جس کی حریص نظریں اس وقت سے اس پر پڑ رہی تھیں جب سے نہر سویز بنی تھی اس سے بہتر موقعہ اور کیا مل سکتا تھا۔ کچھ مدت کے بعد ساہوکاروں نے اپنی رقموں کی ادائیگی کے لئے شدید تقاضے شروع کر دئے۔ اسماعیل ان کو پورا نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے اِدھر اُدھر سے قرض لینے کی بہت کوشش کی مگر ناکام رہا۔ اب اس کے لئے دو راستے تھے، یا تو وہ اپنے دلوالیہ ہونے کا اعلان کر دے یا کسی بیرونی حکومت کی مداخلت منظور کرے۔ اس نے دوسری صورت اختیار کی۔

اس کی درخواست پر حکومت برطانیہ نے ایک ماہر مالیات مصر بھیجا۔ اس کی رپورٹ اپریل ۱۸۷۶ء میں شائع ہوئی، جس کا خلاصہ یہ تھا:۔

"مصر کی مالی ساکھ کو قائم رکھنے کے لئے یورپین
حکومتوں کی مداخلت ضروری ہے۔ بغیر اس کے دیوالیہ
نکلنے سے کوئی مفر نہیں"

اس کے بعد تحقیقاتی کمیشنوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مصر کا صیغۂ مالیات مشترکہ طور پر فرانس اور برطانیہ کی نگرانی میں آ گیا۔ پھر اسماعیل ایک ایسی وزارت بنانے پر مجبور ہو گیا، جس میں دونوں حکومتوں کے نمائندے بحیثیت رکن مقرر کئے گئے۔ اس کا مطلب تمام ملک کو برطانیہ اور فرانس کے اقتدار میں دے دینا تھا۔ اس سے سخت برہمی پھیل گئی۔ اور فوج نے اعرابی پاشا کی سرکردگی میں بغاوت کر دی۔ اس پر فرانس اور برطانیہ نے اسماعیل کو معزول کر دیا۔ اور توفیق پاشا اس کا جانشین ہوا۔

توفیق نے جب عنانِ حکومت سنبھالی تو ملک دیوالیہ ہو چکا تھا۔ مگر لوگوں نے بڑی خوشیاں منائیں۔ اس کے متعلق یہ کہا جاتا تھا کہ وہ بڑا دور اندیش ہے اور با اقتدار ہوتے ہی اصلاح و انقلاب کے لئے کوشش کرے گا۔ اور واقعی خدیو ہونے سے پہلے اس نے وعدہ کیا تھا۔ کہ وہ مصریوں کے جذبات و احساسات کا پورا خیال رکھے گا۔ اور دستوری حکومت قائم کرے گا۔ مگر افسوس ہے کہ ابھی اسے حکمران ہوئے بمشکل ایک ماہ گذرا تھا کہ وہ اپنے وعدہ کو بھول گیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حکومت کی باگ ڈور

یورپین مشیروں کے ہاتھ میں آگئی۔یورپین افسروں کی ایک کثیر تعداد نے مصر میں پہنچ کر اسے لوٹنا شروع کر دیا۔اہل مصر سخت برہم ہوئے خصوصًا اس وقت جب مصر میں فوج کی تعداد گھٹا کر پندرہ ہزار کر دی گئی۔ توفیق، برطانیہ اور فرانس کے مشیروں کے ہاتھوں اتنا بے بس تھا کہ کچھ نہ کر سکتا تھا۔اس وقت وزیر جنگ عثمان ازقی تھا، جسے عوام حقارت سے دیکھتے تھے اور فوج بھی اسے پسند نہیں کرتی تھی۔ فوج میں احمد بے اعرابی اور عبدالمعالی دو کرنیل تھے۔انہوں نے اپنی برہمی کا اظہار اس طرح کیا کہ فوج کی تنخواہ اور ترقی کے بارے میں اپنے مطالبات پیش کئے۔توفیق نے فوراً وزراء کی کونسل کا اجلاس طلب کیا جہاں یہ فیصلہ ہوا کہ دونوں کرنیل فوراً گرفتار کر لئے جائیں۔اعرابی اور عبدالمعالی بے خوف ہو کر قصرِ نیل پہنچے، جہاں جیسا کہ توقع تھی انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ان کی رجمنٹ کے سپاہی ان کے پیچھے پیچھے تھے ــ کرنیلوں کا کورٹ مارشل ہو رہا تھا کہ اسے درہم برہم کر کے وہ قیدیوں کو چھڑا کر لے گئے۔

قصر نیل کے واقعہ نے دستور پسندوں کو نئی زندگی بخشی اور ایک رات کے اندر اعرابی قومی ہیرو بن گئے۔اب انہوں نے نئے مطالبات پیش کئے یہ مطالبات بحالیٔ دستور اور معاشرتی اصلاحات کے بارے میں تھے۔ یہ بھی مطالبہ تھا کہ فوج کی تعداد بڑھا کر اٹھارہ ہزار کر دی جائے۔

خدیو جو یہ ظاہر کرتا تھا کہ وہ کرنلوں کا حامی ہے درپردہ ان کا مخالف تھا اعرابی کو بھی اس کا احساس تھا۔اور اس احساس کی تصدیق ہو گئی۔ جب خدیو

نے اپنے ہم زلف داؤد پاشا کو نیا وزیر جنگ مقرر کیا یہ بہت ظالم اور سنگ دل شخص تھا۔اعرابی پاشا کو یقین تھا کہ خدیو انہیں قتل کرنے پر تلا ہوا ہے۔

ایک بار پھر وہ اپنے دوسرے کرنلوں اور رجمنٹوں کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے قصر العابدین کی طرف روانہ ہوئے۔توفیق کے مشیروں نے اسے کہا کہ اعرابی کو قتل کر دیا جائے۔مگر اس میں اتنی جرأت نہیں تھی۔اس نے اعرابی کے مطالبات منظور کر لئے۔دستوری حکومت کا اعلان کر دیا اور مصری فوج کی تعداد بڑھا دی گئی۔دستوری حکومت کے اعلان سے اہل مصر بہت خوش ہوئے۔اور توفیق کے خلاف جو شکایات تھیں وہ سب رفع ہو گئیں۔اعرابی پاشا وزیر جنگ بنا دئے گئے۔

اہل مصر کی بیداری کو بھلا یورپین حکومتیں کس طرح پسند کرتیں۔انہوں نے تو اس ملک پر بتدریج اپنا تسلّط جمانا شروع کر دیا تھا۔چنانچہ فرانس و برطانیہ نے ایک مشترکہ مراسلہ توفیق کو بھیجا جس میں اپنی حمایت کا یقین دلاتے ہوئے قوم پرستوں کے خلاف پوری مدد کرنے کا وعدہ کیا تھا۔اس کا علم جب مصریوں کو ہُوا تو وہ نہایت برہم ہوئے۔ادھر سلطان ترکی نے بھی برطانیہ اور فرانس کے اس طرزِ عمل کے خلاف احتجاج کیا۔اور اپنے سفیروں کے ذریعہ ان دونوں طاقتوں کو مطلع کیا کہ مصر دولتِ عثمانیہ کا ایک صوبہ ہے اس لئے وہاں کی حکومت سے کوئی گفتگو بابِ عالی کے توسط کے بغیر نہیں ہو سکتی۔اس پر قوم پرستوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے۔برطانیہ نے سلطان ترکی کو جو جواب دیا۔وہ یہ تھا کہ ایک جنگی بیڑے کو

اسکندریہ کے سامنے لاکر کھڑا کر دیا۔ اور یہ دھمکی دی کہ اعرابی پاشا کو مصر سے نہ نکالا اور موجودہ وزارت نہ توڑی گئی تو جنگی بیڑہ کے ذریعہ یہ مطالبات منظور کرائے جائیں گے۔ اعرابی پاشا نے فوراً آنے والے خطرہ کو محسوس کیا۔ انہوں نے اسکندریہ کی قلعہ بندی کا حکم دے دیا۔ برطانوی امیر البحر سیمور نے ان کو قلعہ بندی سے روکنا چاہا۔ مگر اعرابی پاشا نے انکار کر دیا۔ سیمور نے اسکندریہ پر گولہ باری شروع کر دی۔

برطانوی جنگی بیڑہ کے اسکندریہ پہنچ جانے کے بعد اہل مصر کو یہ یقین ہو گیا کہ یورپین حکومتوں نے جو سلوک حال ہی میں تیونس کے ساتھ کیا ہے۔ وہی ان کے ملک کے ساتھ بھی کیا جانے والا ہے۔ تیونس پر قبضہ کرنے سے پہلے غلط طور پر مشہور کیا گیا تھا کہ وہاں بدامنی اور بغاوت پھیلی ہوئی ہے جس سے فرنگیوں کی جان و مال خطرہ میں ہے۔ اور اُن کے تحفظ کے لئے مداخلت ضروری ہے۔ اس کے بعد یہ ظاہر کیا گیا کہ وہاں کے فرمانروا کو اس کی باغی رعایا سے بچانے کی ضرورت ہے۔ اور اس عذر کی بنا پر اسے قبضہ میں کر لیا گیا۔ پھر اسے مجبور کیا گیا کہ وہ "فوجی تحفظ" منظور کرے۔ یہ سب کچھ فرانس نے تیونس میں کیا تھا۔ اب بالکل یہی نقشہ انگریزوں نے مصر کے لئے تیار کیا تھا۔ قلعہ بندی کا کام روکنے کے لئے جب سیمور کا حکم نامہ اعرابی پاشا کے پاس پہنچا تو یہ نقشہ ہر مصری کی آنکھوں کے سامنے تھا اور کسی کی غیرت نے یہ گوارا نہیں کیا کہ جو تلوار وطن کی حفاظت کے لئے ہاتھ میں لی گئی ہے اسے حملہ آوروں کے خون

سے رنگین کرنے سے پہلے خوشی سے حوالہ کر دیا جائے۔ لوگ سخت برہم تھے۔ توفیق نے مجبوراً اعرابی پاشا کو جو وزیر جنگ اور وزیر بحریہ تھے حکم دیا کہ جس وقت برطانوی بیڑہ گولہ باری شروع کرے مصری توپخانوں سے اس کا جواب دیا جائے۔ علاوہ ازیں تمام صوبوں میں اعلان کر دیا جائے کہ نئے سپاہی بھرتی کئے جائیں اور جنگی تیاریاں کی جائیں۔

لیکن دل میں توفیق انگریزوں سے جنگ کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ وہ خفیہ طور سے سیمور سے نامہ و پیام کر رہا تھا۔ ۹ر جولائی کو اسے انگریزوں کی طرف سے یہ اطلاع دی گئی تھی کہ اسکندریہ پر گولہ باری ہو کر رہے گی اور وہ اپنی حفاظت کے لئے کسی انگریزی جہاز میں چلا آئے۔ لیکن چونکہ وہ اعلانیہ مصر سے غداری نہیں کر سکتا تھا، اس لئے اس نے انکار کر دیا۔ مگر گولہ باری شروع ہونے سے پہلے وہ رملہ چلا گیا جو اسکندریہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے اور وہاں امید و بیم کی حالت میں جنگ کے نتیجہ کا انتظار کرنے لگا۔ شام تک قلعہ کی توپیں خاموش ہو گئیں۔ اور انگریزی بیڑہ کو کچھ نقصان نہ پہنچ سکا۔ اس کے بعد توفیق کا تذبذب جاتا رہا۔ اور اس نے فیصلہ کر لیا کہ اپنے آپ کو سیمور کی حفاظت میں دیدے۔

قاہرہ میں جس وقت یہ خبر پہنچی کہ توفیق انگریزوں کے زیر اثر آ گیا ہے تو لوگ برہم ہوئے۔ مگر سب نے متفقہ طور پر لڑائی جاری رکھنے کا فیصلہ کر لیا اور سارے اختیارات عرابی پاشا کو دیدیے۔

اسکندریہ پر گولہ باری کے بعد اعرابی کو اپنی فوجیں قلعہ سے نکال لینا

پڑیں۔ اب انہوں نے مداخلت کے لئے کفر دوار کا مقام منتخب کیا جو قاہرہ کی طرف جانے والی ریلوے لائن پر واقعہ تھا۔ یہ بہت مضبوط اور محفوظ مقام تھا اور سیمور کی توپوں کی زد سے باہر تھا۔ یہاں مصری فوجیں پانچ ہفتہ تک انگریزوں کا مقابلہ کرتی رہیں۔ اس مدت کے گزرنے کے بعد ایک نہایت اہم واقعہ پیش آیا۔ ایک تازہ انگریزی فوج ولزلے کی زیر کمان اسکندریہ پہنچی۔ ولزلے نے یہ دیکھ کر کہ کفر دوار کی طرف سے آگے بڑھنا ممکن نہیں اس نے نہر سویز کی جانب رخ کیا۔ یہ خطرہ قاہرہ کی مجلس حربی نے پہلے ہی محسوس کر لیا تھا۔ اور ارکانِ مجلس کی قطعی رائے تھی کہ سویز کی مکمل ناکہ بندی کر دی جائے۔ مگر اس دوران میں نہر سویز کا معمار ڈیلیسپ اسکندریہ پہنچ گیا تھا۔ وہاں اسے معلوم ہوا کہ انگریز نہر سویز کی راہ سے مصر پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ چونکہ ایسا کرنے سے نہر کے ٹوٹنے کا خطرہ تھا۔ اس لئے وہ پورٹ سعید پہنچا اور اس بات کی کوشش کرنے لگا کہ نہر پر جنگ نہ ہونے پائے۔ یہ اس کی کوشش کا نتیجہ تھا کہ مجلس حربی کے فیصلہ کے باوجود اعرابی نہر کی ناکہ بندی کے لئے تیار نہ ہوئے۔ ڈیلیسپ نے انہیں یقین دلا دیا تھا کہ وہ اپنے اثر سے انگریزوں کو بھی نہر کے استعمال سے باز رکھے گا۔ اعرابی پاشا کا ڈیلیسپ کے وعدہ پر بھروسہ کر کے سویز کی ناکہ بندی سے ہاتھ اٹھا لینا فوجی نقطۂ نظر سے ایک ایسی شدید غلطی تھی۔ جس کی تلافی آخر وقت تک نہ ہو سکی۔

ادہر ولزلے نے ڈیلیسپ کے اس نظریہ کی مطلق پروا نہ کی کہ نہر

سویز کا علاقہ غیر جانب دار علاقہ ہے۔اس نے ۱۲ر اگست کو انگریزی فوجیں اسماعیلیہ پر اتار دیں اور اس پر قبضہ کر لیا۔ قاہرہ کا راستہ کھلا ہوا تھا۔ صرف تل کبیر کی نامکمل خندقیں حائل تھیں۔ انگریزی فوج کی تعداد تیس ہزار سے زیادہ تھی۔اس کے مقابلہ میں کفر دوار کی مصری فوج آٹھ ہزار سے زیادہ نہ تھی اور پورے ملک میں باقاعدہ فوج کا شمار چودہ ہزار سے کم ہی تھا۔ عین وقت پر جو سپاہی بھرتی کئے گئے تھے وہ بالکل ناتجربہ کار تھے اور صرف خندقیں وغیرہ کھودنے کے کام آسکتے تھے۔

حکومت برطانیہ نے محض فوج پر قناعت نہیں کی، بلکہ اپنی کامیابی کو یقینی بنانے کے لئے خفیہ ذرائع بھی اختیار کئے۔جن میں سب سے بڑا ذریعہ رشوت تھا۔ برطانوی وزارتِ جنگ و بحریہ نے فیصلہ کر لیا تھا کہ رشوت کے ذریعہ عربی قبائل خصوصًا بدؤں کو ہموار کر لیا جائے اور اسی کے ذریعہ اعرابی کی فوج میں بد دلی پیدا کی جائے۔ایڈورڈ پامر کو جو عربی خوب بول سکتا تھا، اور کیمبرج یونیورسٹی میں مشرقی زبانوں کا پروفیسر تھا۔اس کام کے لئے منتخب کیا گیا۔ اسے نہر سویز کے علاقہ سے بھی واقفیت تھی۔ وہ اخبار سٹینڈرڈ کے نامہ نگار کی حیثیت سے مصر پہنچ گیا۔ پامر کو اپنے مقصد میں کافی کامیابی ہوئی، لیکن پھر چند بدؤں نے رُپے کے لالچ میں آکر اسے ہلاک کر دیا۔

اس سلسلہ میں پامر سے زیادہ خود توفیق نے انگریزوں کی مدد کی۔ بدوی قبائل کا ممتاز شیخ مسعود اجتہادی اعرابی پاشا کا معتمد علیہ تھا۔ سب سے زیادہ اس نے غدّاری کا ثبوت دیا۔ توفیق نے اسے پانچ ہزار کراؤن کے

عوض اعرابی پاشا کے لشکر میں جاسوس مقرر کر رکھا تھا۔ اس نے بہت سے فوجی افسروں کو رشوت اور ترقی کا لالچ دے کر غداری پر آمادہ کر لیا۔

فوجی کمزوری اور غداریوں کے باوجود اعرابی پاشا کی فوج انگریزوں کا مقابلہ زیادہ دنوں تک کر سکتی تھی، اگر جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی اسے ناقابل تلافی نقصانات نہ پہنچ گئے ہوتے۔ جس وقت یہ معلوم ہو گیا کہ حملہ مشرق کی طرف سے ہو گا، محمود فہمی جو اعرابی پاشا کا سب سے لائق افسر اور ایک باکمال انجینئر تھا فوراً تل الکبیر روانہ کیا گیا تاکہ وہاں کی خندقوں کو مکمل کرا دے۔ لیکن بدقسمتی سے وہاں پہنچنے سے قبل ہی راستہ میں اتفاقاً ایک انگریزی دستہ نے اس کو گرفتار کر لیا۔ اس کی گرفتاری سے تل الکبیر کی مداخلت کو اتنا شدید صدمہ پہنچا کہ اس کی تلافی نہ ہو سکی۔

تل الکبیر سے پہلے ہی قعامین کے مقام پر اعرابی پاشا کی فوج کے ایک دستہ سے جو آگے بڑھ کر دشمن کی نقل و حرکت معلوم کرنا چاہتا تھا۔ ولزلے کی فوج کا مقابلہ ہو گیا۔ قریب تھا کہ اس میں مصری دستہ کامیاب ہو جاتا کہ دو مصری جرنیل علی فہمی اور راشد پاشا بری طرح زخمی ہوئے، اور کوئی تجربہ کار افسر ایسا نہیں تھا جو ان کی جگہ لے سکتا۔ علاوہ بریں عین وقت پر مصری فوج کا ایک دوسرا جرنیل دشمن سے مل گیا اور انگریزوں کی فتح کو آسان بنا دیا۔

اس ہزیمت کے بعد تل الکبیر کی مدافعت بہت کمزور ہو گئی۔ اعرابی پاشا کے بہترین افسر گرفتار یا زخمی ہو چکے تھے۔ جو باقی رہ گئے تھے ان پر اعتماد

نہیں کیا جا سکتا تھا۔ توفیق کے جاسوسوں نے فوج میں ہر طرف رخنے پیدا کر دیئے تھے۔ بدقسمتی سے اعرابی پاشا کو اب بھی مسعود التہاری پر اعتبار تھا اور اس نے یقین دلا کر کہا تھا۔ کہ ولزلے آگئے نہیں بڑھ رہا۔ دفعتاً ۱۳ ستمبر کو صبح سویرے انگریزی فوج نے حملہ کر دیا۔ خود اعرابی پاشا کے دو افسروں نے حملہ آوروں کی راہنمائی کی۔ یہ دونوں چند روز پہلے خدیو کے آدمیوں سے رشوت قبول کر چکے تھے۔ ان میں سے ایک عبدالرحمٰن بے حسن تھا جو خندقوں کے باہر مشرق سے آنے والی ریگستانی سڑک پر اپنے دستہ کے ساتھ تعینات کیا گیا تھا۔ لیکن اس رات جس کی صبح کو انگریزی فوج حملہ آور ہوئی، اپنے سپاہیوں کو متعینہ مقام سے ہٹا کر بائیں جانب کافی فاصلہ پر لے گیا تاکہ انگریزوں کے لئے راستہ کھلا رہے۔ دوسرا علی بے یوسف تھا۔ یہ خندقوں کے ایک ایسے حصّہ پر مقرر تھا جو نسبتاً بہت کمزور تھا۔ اس نے نہ صرف یہ کیا کہ اس رات کو اپنا پہرہ وہاں سے ہٹا لیا۔ بلکہ اشارہ کے لئے لالٹین بھی گل کر دی۔

مسعود التہادی نے اعرابی پاشا کو پورا یقین دلا رکھا تھا کہ انگریز کم از کم اس رات کو حملہ آور نہ ہوں گے۔ اس بھروسہ پر اعرابی پاشا اور فوج کے سپاہی غافل سو رہے تھے۔ اچانک انگریزی فوج سر پر آ پہنچی۔ جب تک سپاہیوں کی آنکھ کھلی قتل عام شروع ہو گیا تھا۔ اور اس قدر ناگہانی اور دشمن کی فوج اس قدر زیادہ تھی کہ مصری فوج زیادہ دیر تک میدان میں نہ ٹھہر سکی۔ جس مقام پر لڑائی ہو رہی تھی اعرابی پاشا کا خیمہ وہاں سے کسی قدر

دور تھا۔ جب توپوں کی آواز سے ان کی آنکھ کھلی تو وہ فوراً مسلح ہو کر گھوڑے پر سوار تیزی سے اوپر بڑھے۔ دیکھا کہ شکست خوردہ سپاہیوں کی ایک ٹولی بھاگتی ہوئی آرہی ہے۔ ان لوگوں نے بیان کیا کہ جنگ ختم ہو گئی ہے۔ اور اب مقابلہ بے سود ہے۔ مسعود انتہادی کے بدوی سپاہی اپنے گھوڑے ادھر ادھر دوڑا رہے تھے، جس سے اور زیادہ خلفشار پیدا ہو گیا۔ اعرابی پاشا نے سپاہیوں کو جمع کرنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ اس قدر سراسیمہ تھے کہ کسی طرح قابو میں نہ آئے۔ مجبوراً اعرابی پاشا کو بھی میدان چھوڑنا پڑا۔ ایک گھنٹہ کے اندر اندر جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔ عرابی نے جب یہ دیکھا کہ مدافعت اب بے سود ہے تو عباسیہ جاکر بحیثیت ایک فوجی قیدی کے اپنی تلوار انگریز جرنیل کے حوالہ کر دی۔ اس کے بعد ان پر مقدمہ چلا اور جلاوطن کر کے سیلون بھیج دئے گئے۔

اس طرح اپنوں کی غداری اور کوتاہ اندیشی سے انگریز مصر میں داخل ہوئے اور کہیں بہتر سال کے بعد وہاں سے نکلے۔ اس عرصہ میں اہل مصر کو جن جن پریشانیوں سے گذرنا پڑا، اس کی داستاں بہت طویل ہے ۔

ماخذ

انقلاباتِ عالم حصہ اول — ابو سعید بزمی

مصر: عہد فاروقی سے جمال عبدالناصر تک — سید نصیر احمد

انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم — تالیف ولیم ایل لینگر
ترجمہ و تہذیب غلام رسول مہر

وعدہ خلافی کی دردناک داستاں

فرانس کی بدعہدی کا انکشاف سنہ ۱۹۱۷ء

[پہلی جنگِ عظیم کے بعد عربوں کے ساتھ جو وعدہ خلافی ہوئی اس کی داستان بڑی دردناک ہے۔ نہ صرف یہ کہ عرب اپنے مقصد میں ناکام ہوئے، بلکہ ان کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا گیا۔ اور انہیں ایک عرصہ تک غیروں کا غلام رہنا پڑا۔ اس سلسلہ میں یہاں صرف ان واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے جو شام میں پیش آئے]

سنہ ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم سے پہلے شام و عراق سلطنتِ عثمانیہ کے صوبے تھے، جنگ شروع ہوئی تو یہاں کے باشندوں کو یقین دلایا گیا کہ اگر وہ اتحادیوں کا ساتھ دیں گے تو جنگ ختم ہونے کے بعد ان کو مکمل آزادی دی جائے گی۔ اور وہ اپنے ملک کے آپ مالک اور آقا ہوں گے۔ چنانچہ عربوں

نے ترکوں کے خلاف بغاوت کر دی - اور پوری تن دہی سے اتحادیوں کا ساتھ دیا - مشرقِ وسطیٰ میں اتحادیوں کی فتح کا ایک بڑا سبب عربوں کی مدد تھی -

اب اصلی واقعہ یہ ہے کہ اگرچہ بظاہر برطانیہ اور فرانس دونوں نے متفقہ طور پر عربوں سے یہ وعدہ کر لیا تھا کہ جنگ کے اختتام پر عرب ممالک کو آزاد کر دیا جائے گا - مگر اندرونی طور پر ان دونوں طاقتوں کے درمیان ایک خفیہ معاہدہ ہو چکا تھا، جس کا نام سائکس پیکیٹ ہے - اس معاہدہ کی رو سے یہ طے کیا گیا تھا کہ فلسطین کے علاقہ کو بین الاقوامی بنا دیا جائے گا - یہاں کی بندرگاہ حیفہ اور بغداد و بصرہ کے علاقے خلیج فارس کے ساحل تک برطانوی اقتدار میں رہیں گے، شام کا ساحلی علاقہ فرانس کے اقتدار میں رہے گا - اور ساحلی شام کے مشرق کا علاقہ حلب اور دمشق سے لے کر موصل تک آزاد عرب ریاست بنا دیا جائے گا -

عربوں کو اس معاہدہ کا بالکل پتہ نہیں تھا اور وہ پورے خلوص اور جانبازی سے فرانس و برطانیہ کے دوش بدوش ترکوں سے لڑ رہے تھے لیکن ۱۹۱۷ء میں جب روس میں انقلاب آیا اور زار کی حکومت ختم ہونے کے بعد بالشویک برسرِ اقتدار آئے تو انہوں نے یہ خفیہ معاہدہ شائع کر دیا۔ اس سے عربوں میں ایک کھلبلی مچ گئی - مگر برطانیہ اور فرانس نے ایک متفقہ اعلان فوراً شائع کر دیا جس میں عربوں کو یقین دلایا گیا کہ عرب ممالک کی آزادی میں دست درازی کا وہ کوئی ارادہ نہیں رکھتے - اور عربوں کی سادگی

دیکھئے کہ وہ مطمئن ہو گئے۔

جب جنگ ختم ہوئی اور برطانیہ اور فرانس کے ارادے آشکارا ہوئے تو عربوں نے شور مچایا۔ شدید برہمی کا اظہار کیا۔ مگر ان کی اب کون سنتا تھا۔ شام کے ساحل پر فرانس نے قبضہ کر لیا اور شام کے اندرونی علاقہ پر شریف کے بیٹے فیصل کو حاکم بنا دیا گیا۔ لیکن فرانس صرف شام کے ساحل پر قانع نہیں تھا۔ وہ پورے شام پر تسلط جمانا چاہتا تھا۔ اس نے دعویٰ کیا کہ اس کا صلیبی جنگوں کے وقت سے شام پر حق ہے ..... شام کے معاشی ذرائع میں بھی فرانس کا بہت زیادہ حصہ ہے۔ اور شام میں جو عیسائی بستے ہیں ان کا فرانس محافظ رہا ہے اور ہے۔ اگست کے آخر میں اس نے یہ اعلان کیا کہ شام میں بڑی بدنظمی ہے اور اس بہانہ اس کی فوجیں ملک میں داخل ہوئیں۔ فیصل کو معزول کر دیا اور سارے شام پر قابض ہو گئیں۔ شام پر فرانس کا یہ قبضہ اگرچہ اس معاہدہ کے خلاف تھا جو عربوں سے کیا گیا تھا۔ مگر کسی طاقت نے بھی فرانس کی اس حرکت پر باز پرس نہ کی، بلکہ الٹا جمعیت اقوام نے شام پر فرانس کا انتداب تسلیم کر لیا۔

فرانس کے اس زبردستی کے قبضہ سے شامیوں میں برہمی اور غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ شامیوں کے احساسات و جذبات کو جو دھکا لگا، اس کا اندازہ بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے اس حکومت کو قبول نہ کیا۔ فوراً ہی ہر طرف سے بغاوتیں اور شورشیں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ان کو فرو کرنے کے لئے فرانس نے جتنی سختیاں ممکن تھیں کیں۔ اس سلسلہ میں امیر شکیب ارسلان لکھتے ہیں

"اس زمانہ میں فرانس نے ستر ہزار مسلح فوج اہل شام کو مرعوب کرنے کے لئے بلا رکھی تھی، لیکن عوام میں حریت طلبی کے جذبات اتنی شدت کے ساتھ مشتعل تھے کہ اس فوجی جمعیت کا مطلق کوئی اثر ان پر نہ پڑا اور وہ برابر فرانس سے لڑتے رہے۔"

یہ دیکھ کر فرانس "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" کی پالیسی عمل میں لایا۔ شام کا رقبہ پہلے ہی بہت کم رہ گیا تھا۔ کیونکہ اس میں سے فلسطین اور شرق اردن کے حصے الگ کر لئے گئے تھے۔ اب اسے پانچ صوبوں میں تقسیم کیا گیا اور ہر صوبہ میں جدا نظم و نسق، جدا حکومت، جدا بجٹ، جدا جھنڈا اور جدا افسر تھے۔ ان سب کو متحد کرنے والی اگر کوئی چیز تھی تو صرف یہ کہ سب پر فرانس مسلط تھا اور ہر جگہ۔ فرانسیسی افسر اعلیٰ عہدوں پر قابض تھے۔ علاوہ ازیں فرانس نے بڑی ہوشیاری سے نسلی اختلافات، اور مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان تفرقہ ڈالنے کی بھی کوشش کی۔ امیر شکیب ارسلان لکھتے ہیں:۔

"۱۹۱۸ء کی جس تاریخ سے فرانس نے یہاں قدم رکھا ہے اس کی کوشش برابر یہ رہی ہے کہ شام میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان نئے نئے اختلافات کھڑے کئے جائیں۔ اور لبنان میں عیسائیوں اور دروزوں کے درمیان تفرقہ پیدا کیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج شام کی حالت حد سے زیادہ خراب ہے اور فرانس محض اسلئے کہ

شام پر اس کا اقتدار باقی رہے۔ نفاق و شقاق کی اس
آگ کو ہوا دیتا رہتا ہے۔"

فرانس کی یہ کوشش ایک حد تک ضرور کامیاب ہوئی۔ مگر پوری طرح کامیاب نہ ہو سکی۔ شامیوں کے باہمی اختلافات فرانس کی مخالفت پر غالب نہ آ سکے۔ شامیوں نے ہر طرف بغاوتیں اور شورشیں برپا کر دیں۔ اور فرانس کے لئے پُرامن حکومت کرنے کو ناممکن بنا دیا۔ مگر فرانس طاقت اور قوت کے زور سے حکومت کرتا رہا۔ مگر جب اس سے کام نہ چلا اور اہل شام کا جوش و خروش بڑھتا ہی گیا تو ۱۹۲۵ء میں چند شامی لیڈروں کو گفتگو کے لئے بلایا گیا۔ لیکن جب وہ متعینہ جگہ پہنچے تو انہیں گرفتار کر کے قید کر دیا گیا۔

اس بدعہدی سے ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہنگامہ برپا ہو گیا دروزیوں نے بغاوت کر دی۔ یہ دروزی بڑے آزادی پسند تھے۔ اپنی شجاعت اور جواں مردی پر انہیں ناز تھا۔ یہ کئی موقعوں پر ترکوں کے خلاف بھی بغاوت کر چکے تھے۔ ترکوں کے مقابلہ میں فرانس کی حکومت تو ان کے لئے بالکل ہی ناقابل برداشت تھی۔ اس بغاوت نے بڑی شدت اختیار کر لی۔ فرانس نے اسے فرو کرنے کے لئے سخت اقدامات کئے۔ دو مرتبہ اس نے دمشق پر گولہ باری کی۔ دیہات پر بم گرائے۔ درخت کٹوا دئے اور پانی کاٹ دیا۔ باغات خشک ہو گئے۔ گاؤں کے لڑکوں کو جمع کر کے انہیں اندھا دھند گولیوں کا نشانہ بنا دیا۔ قتل و غارت کا بازار گرم ہو گیا۔ دمشق پر

گولہ باری کا حال لندن ٹائمز کا ایک عینی شاہد اس طرح لکھتا ہے:۔

"دمشق پر مسلسل اڑتالیس گھنٹے بمباری ہوتی رہی، اس کے ساتھ لوٹ مار کا بازار بھی گرم رہا۔ دمشق کی دو شاندار سڑکیں حمیدیہ اور مستقیم کے نام سے مشہور ہیں اور ان کا کل علاقہ برباد ہو گیا۔ خصوصاً مستقیم کی حالت تو نہایت ابتر ہو گئی۔ ان دونوں بازاروں میں جتنی دوکانیں تھیں سب ٹینکوں، مشین گنوں اور بموں سے ستیاناس کر دی گئیں۔"

مگر اس دہشت انگیزی کے باوجود یہ بغاوت نہ دبی۔ اب فرانس نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ افریقہ کے ساحلی علاقہ یعنی گال کے خونخوار حبشیوں کی مسلح فوج شام لائی گئی۔ اس کو ملا کر فرانسیسی فوج کی تعداد پچاس ہزار ہو گئی۔ ان پچاس ہزار مسلح سپاہیوں نے شام کے تیس لاکھ نہتے عوام پر جس جس طریقہ سے جبر و تشدد کیا۔ اس کا ذکر بڑا المناک ہے۔ جس مقام، جس جگہ، جس محلہ یا جس گاؤں پر بھی شبہ ہوا کہ یہاں حکومت کے مخالف چھپے ہوئے ہیں یا یہاں سے ان کی امداد ہوتی ہے اسے جلا کر راکھ کا ڈھیر کر دیا گیا۔ جس کسی شامی پر شبہ ہوا کہ حریت پسندوں سے ساز باز رکھتا ہے اسے گولی مار دی گئی۔ جس گھر میں چاہا فوج گھس گئی اور جس دکان کو چاہا لوٹ لیا۔ آخر کار اس بغاوت کو دبا لیا گیا۔

یہ مہم فرانس کو بہت گراں پڑی۔ روپے کی شکل میں بھی اور شہرت کے لحاظ سے بھی۔ شامیوں کو بے شک شدید نقصانات اٹھانا پڑے لیکن ان کے

اندر اور زیادہ خود اعتمادی پیدا ہو گئی اور انہیں اعتماد و یک جہتی کا احساس اور زیادہ ہو گیا۔ بغاوت کے دوران میں شامیوں نے ایسے ایسے کارنامے دکھائے جن پر آنے والی نسلیں فخر کرتی رہیں گی

اب فرانس نے ۱۹۲۵ء میں یہ کوشش کی کہ حکومت کا انداز بدل دے، اس نے ایک مجلس دستور ساز کے انتخاب کرائے۔ مگر اس میں بھی اسے کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ اور ۱۹۳۰ء میں مجلس توڑ دی گئی۔ اس طرح ایک تعطل پیدا ہو گیا۔ اس دوران میں کشیدگی اور بڑھ گئی۔ کئی قوم پرست لیڈروں کو گرفتار کر کے جلا وطن کر دیا گیا۔ تعزیری اقدامات کئے گئے۔ انہوں نے عوام کے عزم کو اور سخت کر دیا۔ اور انہوں نے سول نافرمانی شروع کر دی اس کا ظہور بڑے بڑے قصبات میں ایک عام ہڑتال کی صورت میں ہوا۔ جو پچاس دن تک جاری رہی۔ یہ ہڑتال ضبط و نظم کے لحاظ سے قابل توجہ تھی۔

آخر ۱۹۳۶ء میں فرانس کو شام کے حریت پسندوں کے ساتھ صلح کرنا پڑی۔ چنانچہ صلح نامہ مرتب کیا گیا، جس میں شام کی آزادی تسلیم کی گئی اور ایک آزاد جمہوریت کی حیثیت سے اسے جمعیتہ اقوام کا ممبر بنایا گیا۔ اس صلح نامہ میں ایک مضحکہ خیز دفعہ یہ بھی شامل تھی کہ فرانس اور شام کے درمیان دائمی دوستی رہے گی۔

شمالی شام کے دو قلعے اسکندرونہ اور انطاکیہ ترک آبادی کی اکثریت پر مشتمل ہیں۔ ترکی کا ایک عرصہ سے مطالبہ تھا کہ انہیں ترکی کی حکومت کو

واپس کیا جائے۔ مگر فرانس نے کبھی اس مطالبہ پر توجہ نہیں دی۔ لیکن جب ۱۹۳۶ء میں شام کی آزادی کا اعلان کیا گیا تو فرانس کو ترکی کے اس مطالبہ سے فوراً ہمدردی پیدا ہو گئی۔ جولائی ۱۹۳۹ء میں فرانس اور ترکی کے درمیان ایک سمجھوتہ ہو گیا اور شام کے یہ دونوں قلعے ترکی کے حوالے کر دئے گئے۔ شام پر یہ ایک کاری ضرب تھی جو فرانس نے رخصت ہونے سے کچھ پہلے لگائی۔ ان علاقوں کی واپسی سے شام کی معاشی حالت پر بہت برا اثر پڑا۔

جس وقت دوسری عالمگیر جنگ شروع ہوئی تو فرانس کو شام پر حکومت کرتے بیس برس ہو چکے تھے۔ اس دوران میں اس نے شامیوں کو کامل طور پر فرانس سے برگشتہ کر دیا تھا۔ یہ پوری مدت ایسی گذری کہ خانہ جنگیوں اور مسلح جنگوں کے سبب ذرا چین نصیب نہ ہوا۔ مسلح فسادات اگرچہ کبھی کبھی رونما ہوتے اور وہ غیر منظم تھے، لیکن یہ کوئی جداگانہ حیثیت نہ رکھتے تھے۔ بلکہ ان سے آزادی کے لئے قومی جدوجہد کا اظہار ہوتا تھا۔

فرانس کی مکمل شکست کے بعد بھی شامیوں کو کئی تکلیفوں اور پریشانیوں میں سے گزرنا پڑا۔ تیسری دفعہ دمشق پر فرانس نے بمباری کی۔ لیکن آخر ۱۹۴۶ء میں اسے عبرت و یاس کی حالت میں یہاں سے رخصت ہونا پڑا۔ اور شام کو آزادی حاصل ہو گئی۔

اگر اتحادی قوتیں جنگ کے بعد عربوں سے وعدہ خلافی نہ کرتیں..

تو یہ دردناک واقعات پیش نہ آئے ہوتے۔

ماخذ

تاریخ انقلابات عالم	ابو سعید بزمی
عرب دنیا	نجلا عزالدین
فلسطین	احمد فواد

تباہ کن اعلان ۱۹۶۷ء

فلسطین میں یہودیوں کی آبادکاری اور عربوں کی خانہ بربادی

[فلسطین میں ایک یہودی مملکت کے قیام کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ عرب آبادی بے خانماں ہو گئی ہے۔ بیس لاکھ کے قریب عرب اپنے گھر بار سے باہر نکال پھینکے گئے ہیں۔ انہیں کے وطن میں ان کی جگہ اجنبی لوگوں کو دی گئی ہے۔ یہ پناہ گزین اپنے پیچھے سب کچھ چھوڑ آئے ہیں اور بیشتر بڑے نازک حالات میں زندگی گزار رہے ہیں۔ علاوہ ازیں فلسطین کی اس جمہوری مملکت کو عرب کے سر پر کھڑا کر دیا گیا ہے جو نہ صرف عرب ممالک بلکہ دنیا کے امن و امان کے لئے ایک شدید خطرہ[1] ہے]

پہلی عالمگیر جنگ میں جب برطانیہ نے عربوں سے وعدہ کیا کہ لڑائی ختم ہونے

---

[1] جون ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ اس کا تازہ ثبوت ہے

کے بعد انہیں مکمل آزادی دے دی جائے گی۔ بشرطیکہ وہ ترکوں کے خلاف اس کا ساتھ دیں تو عربوں نے اس وعدہ پر یقین کر لیا۔ اور برطانیہ کی ہر طرح سے امداد کی۔ لیکن عربوں کو اس کی مطلق خبر نہ تھی کہ یہودیوں نے بھی برطانیہ سے سازباز کر رکھی ہے کہ اگر فلسطین کو یہود کا وطن بنانے کا اقرار کیا جائے تو وہ نہ صرف جنگی اخراجات کے لئے روپیہ ہی دیں گے بلکہ لڑنے کے لئے آدمی بھی مہیا کریں گے۔

فلسطین کو جنرل ایلن بی نے ۱۹۱۷ء میں عربوں کی مدد سے فتح کیا۔ عرب اس امر سے خوش تھے کہ اب وہ حصولِ مقصد کے قریب ہیں۔ اور آزاد ہو کر وہ قومی احساسات و جذبات کے مطابق اپنے ملک پر حکومت کر سکیں گے۔ مگر انہیں اب بھی اس کا پتہ نہیں تھا کہ پس پردہ کیا ہو رہا ہے۔ دفعتاً ۲ر نومبر ۱۹۱۷ء کو برطانوی وزیر خارجہ لارڈ بالفور نے یہ اعلان شائع کیا کہ فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن بنایا جائے گا۔ عرب یہ سن کر حیران و ششدر رہ گئے۔ اور اس اعلان کے خلاف شدید احتجاج کیا۔ اعلان کے الفاظ یہ تھے:۔

"ملک معظم کی حکومت فلسطین میں یہودی قوم کے قومی وطن کے قیام کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتی ہے۔ یہ واضح طور پر سمجھ لیا گیا ہے کہ ایسی کوئی بات نہیں کی جائے گی جو فلسطین کی موجودہ غیر یہودی اقوام کے شہری اور مذہبی حقوق کو نقصان پہنچا سکے یا ان حقوق اور سیاسی موقف کو جن

سے یہودی کسی اور ملک میں بہرہ اندوز ہیں مضرت پہنچائے۔

عربوں کے احتجاج پر حکومت برطانیہ نے ان کی توجہ اعلان کے الفاظ کی طرف دلائی۔ اس نے کہا کہ بے شک فلسطین کو یہودیوں کا وطن بنانے کا وعدہ اعلان میں ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی مذکور ہے کہ عربوں کے سیاسی و معاشی وقار کو نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ عرب اس جھانسے میں آ گئے اور مطمئن ہو گئے۔ یا شاید وہ اس لئے چپ ہو گئے کہ جب وہ حکومت حاصل کر لیں گے تو اس معاملے سے بھی نمٹ لیں گے۔

سنہ ۱۹۲۰ء تک عراق و شام کی طرح فلسطین میں بھی مارشل لاء کی حکومت رہی اور دنیا کی توجہ یورپ کے مسائل کی طرف لگی رہی۔ مگر جب مسٹر ہربرٹ سیموئل کو ہائی کمشنر مقرر کر کے یہاں بھیجا گیا جو یہودی تھا، تو عرب بجا طور پر سخت پریشان ہوئے۔ مگر یہودیوں نے بڑی خوشیاں منائیں، تاہم ابھی فلسطین کے بارے میں کوئی قطعی فیصلہ نہ ہُوا تھا۔ اس لئے وہ خاموش رہے۔ لیکن دو سال کے بعد جب ۲۴ جولائی سنہ ۱۹۲۲ء کو فلسطین کو الگ کر برطانوی انتداب میں دئے جانے کا اعلان ہُوا تو عربوں کی آنکھیں کھل گئیں۔ اور انہیں یقین ہو گیا کہ برطانیہ نے ان سے جو وعدے کئے تھے ان کے ایفا پر وہ ہرگز تیار نہیں ہے۔ انہوں نے برطانوی انتداب تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور ملک بھر میں بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی۔ یروشلم اور جافہ میں جہاں یہودی کافی تعداد میں آ کر بس گئے تھے، کئی بلوے ہوئے اور بڑی لوٹ مار ہوئی۔ سیموئل نے امن و امان کی فضا پیدا کرنے

کی بہت کوشش کی۔ مگر ناکام رہا۔ ۱۹۲۳ء میں اس نے اعلان کیا ــــ کہ فلسطین کے باشندوں کی ایک وزارت بنائی جائے گی۔ اس کے لئے عام انتخابات بھی کئے گئے۔ مگر عربوں نے انتخابات کا مکمل بائیکاٹ کر دیا۔

۱۹۲۵ء میں سر سیموئل کی جگہ لارڈ پلومر یہاں کا ہائی کمشنر مقرر ہوا۔ پلومر یہودی نہیں تھا اور آدمی بھی اچھا تھا۔ مگر حکومت برطانیہ نے جو پالیسی وضع کی تھی، اس کے خلاف وہ کچھ نہ کر سکتا تھا۔ اس نے عربوں اور یہودیوں دونوں کو خوش کرنے کی کوشش کی۔ مگر کسی کو بھی خوش نہ کر سکا۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں کے درمیان کوئی ایسی مفاہمت ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ جو اعلان بالفور کی شرائط کی تکمیل کر سکتی۔ ۱۹۲۶ء میں پلومر نے ایک قانون جاری کیا۔ جس کی رو سے یہودیوں کو بحیثیت قوم فلسطین میں اپنی تنظیم کا حق دیا، علاوہ ازیں جہاں یہودیوں کی اکثریت تھی۔ وہاں انہیں داخلی خود مختاری بھی دے دی گئی۔ اس قانون کا نتیجہ قدرتاً یہ ہوا کہ یہودی بڑے طاقتور بن گئے اور عربوں پر ایک کاری ضرب پڑی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بلوے اور ہنگامے شروع ہو گئے جن کو فرو کرنے کی زبردست کوششیں کی گئیں۔ آخر پلومر نے استعفیٰ دے دیا۔ ہنگامے اور فسادات جاری رہے۔

اس وقت حکومت برطانیہ نے بھی محسوس کیا کہ عربوں کی بہت سی شکائتیں معقول ہیں جن کو دور کئے بغیر امن و امان کو بحال نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ ایک تحقیقاتی کمیشن بھیجا گیا جو سر والٹر شا کی سرکردگی میں تھا۔ اس نے

۳۱ مارچ ۱۹۳۰ء کو اپنی رپورٹ پیش کی - اس رپورٹ میں فسادات کی وجہ یہ بتائی گئی کہ عربوں کو یہودیوں سے سخت نفرت ہے - اور وہ آزادی نہ ملنے کے باعث سخت برہم ہیں - اس نے سفارش کی فلسطین میں یہودیوں کا داخلہ محدود کر دیا جائے - اس پر یہودیوں نے شدید احتجاج کیا - اور مظاہرے کئے - اسی دوران میں جمعیتہ اقوام نے بھی انتداب کا ایک کمیشن مقرر کیا تھا - اس نے اپنی رپورٹ میں عربوں اور یہودیوں کے تصادم کے سلسلہ میں برطانوی نظم و نسق پر سخت اعتراضات کئے اور کہا کہ پولیس کی حفاظت کا انتظام ناکافی تھا -

والٹر شا کی رپورٹ وصول ہونے پر حکومت برطانیہ نے ایک ماہر سر جان ہوپ سمپسن کو بھیجا تاکہ وہ مسئلہ ترک وطن، اراضی پر نوآبادیات کا قیام اور ترقیات کے مسائل پر خالص فنی نقطۂ نظر سے رپورٹ مرتب کرے - لارڈ پیس فیلڈ جو سڈنی وب کے نام سے زیادہ مشہور ہیں شا کمیشن اور سمپسن کی رپورٹوں سے اتنے متاثر ہوئے کہ انہوں نے ۱۹۳۰ء کا قرطاس ابیض شائع کیا - جس میں اس امر پر زور دیا گیا کہ جن عربوں کے پاس زمینیں نہیں ان کی حالت روز بروز بگڑ رہی ہے - اس لئے جب تک عربوں کو زمینیں نہ مل چکیں، یہودیوں کو خرید اراضی کی ممانعت کر دی جائے اور جب تک عربوں میں بے روزگاری باقی ہے یہودیوں کا داخلہ بند کر دیا جائے - اگرچہ اس قرطاس نے ملک کے سیاسی حالات سے متعلق جو بے چینی کی بنیاد تھے کوئی توجہ نہ کی - اور نہ عربوں کی قومی شکایات

کا کوئی لحاظ کیا، تاکہ ہم چونکہ اس نے عربوں کی حفاظت کے متعلق یہ رعایت دی تھی۔ اس لئے یہودیوں نے اس کے وصول ہوتے ہی ایک ہنگامہ برپا کر دیا اور اتنا سخت دباؤ ڈالا کہ حکومت برطانیہ اپنے موقف سے ہٹنے پر مجبور ہو گئی۔ مسٹر میکڈانلڈ وزیر اعظم نے اس قرطاس کی تشریح کچھ اس طرح کی کہ وہ تقریباً منسوخ ہو کر رہ گیا۔

۱۹۳۱ء میں سر آرتھر واشوب یہاں کا ہائی کمشنر ہو کر آیا۔ اس نے یہودیوں کے داخلہ پر پابندیاں نرم کر دیں۔ اس پر عربوں نے شدید احتجاج کیا۔ ہائی کمشنر نے عربوں کا یہ مطالبہ بھی رد کر دیا کہ انہیں زمینیں فروخت کرنے کی ممانعت ہو جائے۔ نیز یہودیوں کا داخلہ محدود رکھا جائے۔ اس پر عربوں کی مجلس اعلیٰ نے برطانیہ سے عدم تعاون کی پالیسی کا اعلان کر دیا۔ اور برطانوی مال کا بائیکاٹ شروع ہو گیا۔ عربوں کی مجلس اعلیٰ کا مقصد یہ تھا کہ یہودیوں کے دعووں کے خلاف عربوں کو متحد کیا جائے۔ اپریل ۱۹۳۶ء میں عربوں کے مظاہروں اور فسادوں نے یہودیوں کے خلاف کھلم کھلا جنگ کی شکل اختیار کر لی۔ چار عرب حکمرانوں نے مصالحت کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔ عربوں نے عام ہڑتال کا اعلان کر دیا جو اکتوبر تک رہی۔ یہ دیکھ کر برطانیہ نے مزید فوجیں بھیج دیں۔ اس کے ساتھ ہی حالات کی تحقیق اور سفارشات کی تحقیق کے لئے ایک کمیشن مقرر کر دیا گیا۔ فلسطین کے عربوں کے پاس عرب فرمانرواؤں کی اپیلیں پہنچیں کہ وہ کمیشن کی تحقیقات کے نتائج نکلنے تک ہڑتال اٹھالیں اور بغاوت ملتوی رکھیں۔ کئی مہینوں کی تحقیقات

اور شہادتیں لینے کے بعد کمیشن نے یہ فیصلہ کیا کہ انتداب ناقابل عمل ہے۔ اس لئے اس نے تجویز پیش کی کہ فلسطین کو عربی اور یہودی مملکتوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ ان کے درمیان ایک مملکت غیر سے گھرا ہوا علاقہ ہو جو مستقل طور پر برطانوی انتداب کے ماتحت رہے۔ یہودیوں نے یہ تجویز منظور کر لی۔

مجلس اتحادِ عرب نے بلدان (شام) میں ایک اجلاس منعقد کیا جس میں تمام عرب ممالک کی طرف سے تقریباً چار سو غیر سرکاری نمائندے شریک ہوئے۔ اس اجلاس نے بھاری اکثریت سے پیل کیشن کی تجویز کو مسترد کر دیا اور مندرجہ ذیل مطالبات پیش کئے۔

(۱) انتداب کو ختم کیا جائے اور فلسطین میں آزاد حکومت قائم ہو جو برطانیہ سے دوستی کا تعلق رکھے۔

۲۔ فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن بنانے کی سکیم ترک کر دی جائے اور یہودیوں کا داخلہ بند کر دیا جائے۔

۳۔ جو یہودی فلسطین میں آ چکے ہیں۔ انہیں فلسطین کی عرب ریاست کے ماتحت ایک منظور شدہ اقلیت کی حیثیت حاصل رہے۔

اس مجلس نے ایک مستقل منتظمہ کمیٹی بنا دی جو فلسطینی عربوں کے لئے اقتصادی انتظام کا بندوبست کرے۔ یہودیوں کے مال اور منصوبوں کا بائیکاٹ ضروری قرار دیا گیا۔ یہ فیصلہ بھی ہو گیا کہ حسب ضرورت برطانوی مال کا بھی بائیکاٹ کیا جائے۔

جب ان کے یہ مطالبے مسترد کر دئے گئے تو عربوں نے ایک

نئے عزم کے ساتھ پھر بغاوت شروع کر دی۔ حکومت نے مجلس اعلےٰ کے لیڈروں کو گرفتار کر کے جیل خانوں میں ڈال دیا۔ اور بعض کو جلاوطن کر دیا۔ یروشلم کے مفتیٔ اعظم الحاج امین الحسینی جو سب سے بڑے ذی اثر لیڈر تھے مسجد اقصیٰ میں جا بیٹھے۔ اور بعد ازاں شام پہنچ گئے۔ اس وقت سے شام فلسطینی لیڈروں کا مرکز بن گیا۔ عرب انتہاپسندوں کے یہودیوں کے خلاف جارحانہ اقدامات زبردست لڑائیوں کی شکل اختیار کر گئے۔ برطانوی ہائی کمشنر نے خاص فوجی عدالتیں انتہاپسندوں کے مقدمات کی غرض سے قائم کیں۔ یہ بھی حکم صادر ہوا کہ جو کوئی محض ہتھیار یا بم لے کر نکلنے اسے بھی گرفتار کر کے موت کی سزا دی جائے۔

اس کشمکش میں فلسطین کے عرب تنہا نہ تھے۔ ہمسایہ ملکوں میں دفاعِ فلسطین کے لئے کمیٹیاں بنائی گئیں۔ اور باغی فوجوں میں رضا کاروں نے شرکت کی۔ خود فلسطین میں بڑے پیمانہ کی بغاوت اور عربوں کی طرف سے اپنے ان بھائیوں کی حمایت نے جو ارض مقدس میں خطرے میں گھرے ہوئے تھے، برطانیہ پر یہ بات واضح کر دی کہ اگر "قومی وطن" کو مزید وسعت دی گئی تو فلسطین میں عرب آبادی کو اسلحہ کے بل پر دبانا پڑے گا۔ اور انگلستان کے ساتھ جو عداوت اور تلخی یہودیوں کی حمایت کی وجہ سے پوری عرب دنیا میں پیدا ہو گئی ہے شدت اختیار کر لے گی۔

۴ر جنوری ۱۹۳۸ء کو حکومت برطانیہ نے تقسیم کی تجویز کے دستور کا اعلان کر دیا۔ اور سر جان ووڈہیڈ کی سرکردگی میں ایک نیا کمیشن مقرر کیا

کیا۔ جس کے سپرد یہ کام ہوا کہ مجوزہ ریاستوں کے حدود کی دیکھ بھال کے علاوہ ان کے اقتصادی اور مالی پہلوؤں کا جائزہ بھی لے۔ اس کمیشن نے اپریل سے اگست تک شہادتیں لیں۔ عربوں نے اس کا مکمل مقاطع کیا۔

سر آرتھر واشوب کی جگہ سر ہیرلڈ میک مائیکل ہائی کمشنر مقرر ہوا۔ اختتام سال سے پہلے فلسطین میں پچیس ہزار سے تیس ہزار تک فوج پہنچ چکی تھی۔ اسی اثنا میں ہنگامے اور فساد جاری رہے۔ کئی جگہ بم پھینکے گئے جن سے بہت جانی نقصان ہوا۔

ووڈ ہیڈ کمیشن کی رپورٹ ۹ر نومبر کو شائع ہوئی تقسیم کی مختلف تجویزوں کا تجزیہ کرنے کے بعد کمیشن اس نتیجہ پر پہنچا کہ ان میں کوئی بھی قابل عمل نہیں۔ اس پر حکومت برطانیہ نے تقسیم کا ارادہ ترک کر دیا اور فیصلہ کیا کہ یہودیوں اور عربوں کی ایک کانفرنس بلائی جائے۔

یہ کانفرنس ۱۹۳۱ء میں فروری اور مارچ کے مہینوں میں لندن میں منعقد ہوئی۔ فلسطینی عرب نمائندوں کے علاوہ اس میں غیر فلسطینی عرب نمائندے بھی موجود تھے۔ یہودیوں اور عربوں میں مصالحت کرانے کی بہت کوشش کی گئی۔ مگر ہر کوشش ناکام ثابت ہوئی اور کانفرنس کسی فیصلہ پر پہنچے بغیر ختم ہوگئی۔

اسی سال ۱۷ر مئی کو حکومت برطانیہ نے ایک تجویز پیش کی، جس کا خلاصہ یہ تھا کہ فلسطین کو دس سال میں آزاد کر دیا جائے۔ برطانیہ کے ساتھ

دوستی کا معاہدہ ہو جائے۔ عرب اور یہودی اس طریقہ سے حکومت میں شریک ہوں کہ دونوں کے بنیادی مفاد کی حفاظت ہوتی رہے۔ عبوری دور میں عرب اور یہودی مختلف محکموں کے ذمہ دار رہیں گے۔ لیکن برطانوی مشیروں کے مشورے کے مطابق کام کریں گے۔ آبادی کے تناسب کے لحاظ سے ایک مشاورتی مجلس عاملہ بنا دی جائے گی۔ پانچ سال کے بعد ایک نمائندہ مجلس، دستور تیار کرے گی، جس میں مختلف اقوام اور یہودی وطن کے لئے انتظام ہوگا۔ یہودیوں کی آمد کے سلسلہ میں ملک کی حیثیت جذب کا اصول ترک کر دیا گیا۔ اور کہہ دیا گیا کہ پانچ سال کے لئے کسی یہودی کو باہر سے آنے کی اجازت نہ ہوگی۔ ہاں اگر عرب اجازت دے دیں تو اور بات ہے۔ پانچ سال میں بھی صرف پچھتر ہزار یہودی آسکیں گے۔ اس طرح انہیں ۱۹۴۴ء میں فلسطین کے اندر ایک تہائی آبادی کا تناسب حاصل ہو جائے گا۔ حکومت آئندہ آراضی کا انتقال بالکل بند کر دے گی یا ان کا مناسب انتظام کرے گی مگر اس تجویز کو جس کے کئی حصے سراسر مبہم تھے، عربوں اور یہودیوں دونوں نے رد کر دیا۔ ملک بھر میں پھر ہنگامے اور فسادات زور پکڑ گئے۔ حالات نہایت ہی خراب تھے جب ۳ ستمبر کو یورپ میں دوسری عالمگیر جنگ شروع ہو گئی۔ یہودیوں نے اعلان کر دیا کہ ہم ظالم جرمن کے خلاف برطانیہ کے حامی ہیں۔ عربوں نے بھی اپنی تحریک انقلاب کو روک دیا۔

دوران جنگ میں فلسطین میں یہودیوں کے آنے کی رفتار بہت تیز ہوگئی۔ اور اس میں امریکہ نے ان کی پوری مدد اور حوصلہ افزائی کی۔ یوں بھی یہودیوں

نے اپنی سیاسی سرگرمی کا مرکز بدل دیا اور برطانیہ کی جگہ ریاستہائے متحدہ امریکہ پر دباؤ منتقل کر دیا۔ انہوں نے یہ سوچا کہ جنگ کے بعد برطانیہ کمزور ہو کر نکلے گا اور اسے ریاستہائے متحدہ امریکہ کا کہنا ماننا پڑے گا جو ایک قوی تر طاقت تھی اور جس کی اعانت برطانیہ کو درکار تھی۔ ان کا یہ خیال صحیح تھا۔

مصر، عراق، شام اور لبنان نے امریکہ کو خبردار کیا کہ اگر فلسطین میں یہودی ریاست بنائی گئی تو اس کا انجام جنگ کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ ۲۱ اپریل ۱۹۴۶ء کو برطانیہ اور امریکہ نے ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی جس نے تقسیم کے خلاف مشورہ دیا۔ اس نے سفارش کی کہ فلسطین کو آزاد کر دیا جائے اور صوبوں کو خود اختیاری نظام دے دیا جائے۔ مگر اس تجویز پر بھی کوئی راضی نہ ہوا۔

ستمبر میں فلسطین کا مسئلہ حل کرنے کے لئے لندن میں ایک اور کانفرنس بلائی گئی۔ یہودیوں نے اس کا بائیکاٹ کر دیا۔ عرب حکومتوں کی طرف سے یہ تجویز پیش ہوئی کہ فلسطین میں ایک آزاد حکومت بنا دی جائے جس میں اکثریت اور تفوق عربوں کو حاصل ہو۔ اس زمانہ میں یہودیوں نے باسل میں ایک کانفرنس منعقد کر کے یہودی ریاست کا مطالبہ پیش کر دیا۔ یہودیوں اور عربوں دونوں کی رائے تھی کہ برطانیہ فلسطین کے انتداب سے دست کش ہو جائے۔ برطانیہ نے تجویز پیش کی کہ فلسطین کو یہودی اور عرب حلقوں میں تقسیم کر دیا جائے اور دونوں کے نظم ونسق ٹرسٹی کی حیثیت میں برطانیہ کے پاس رہے۔ یہ تجویز مسترد کر دی گئی۔ آخر ۲ اپریل ۱۹۴۷ء کو فلسطین کا مسئلہ انجمن اقوام متحدہ

کے روبرو پیش کر دیا۔ انجمن اقوام متحدہ نے فلسطین کے متعلق ایک کمیٹی مقرر کی جس نے ملک کی تقسیم کی سفارش کی۔ لہٰذا انجمن اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے نومبر ۱۹۴۷ء میں ملک میں دو ریاستیں قائم کر دینے کا فیصلہ صادر کر دیا۔ ایک یہودی ریاست اور دوسری عرب ریاست۔ یہودیوں نے اس فیصلہ کو قبول کر لیا لیکن عربوں نے اسے مسترد کر دیا۔ برطانیہ نے مئی ۱۹۴۸ء میں اپنی فوجیں فلسطین سے ہٹا لیں۔ یہودیوں نے فوراً ۱۵ مئی ۱۹۴۸ء کو اسرائیل کی عارضی حکومت بنا لی، یہ حکومت گذشتہ ۱۸۷۸ سالوں میں پہلی یہودی حکومت تھی۔ عرب لیگ نے فیصلہ کیا کہ وہ ارض مقدس کی تقسیم کو بزور رد کرے گی۔ عربوں اور یہودیوں میں جنگ چھڑ گئی۔ شام لبنان، اُردن، مصر ایک طرف تھے اور اسرائیل دوسری طرف۔ لیکن عربوں کی باہمی نااتفاقی نے اب پھر ان کو ناکام رکھا اور اسرائیل نے بڑھ کر کئی ایسے علاقوں پر قبضہ کر لیا جو انجمن اقوام متحدہ نے اس کو نہیں دیئے تھے۔ فلسطین کے لاکھوں عرب اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہو گئے یہ خانماں برباد عرب اب بھی بے سہارا اور بے گھر ہیں۔ اسرائیل ان کو واپس لینے کے لئے تیار نہیں ہے اور نہ ہی ان جائدادوں کی قیمت ادا کرنے کے لئے تیار ہے جو ان تارکان وطن نے اسرائیل میں چھوڑیں۔ اگرچہ انجمن اقوام متحدہ تقریباً ہر سال ریزولیوشن پاس کرتی ہے کہ ان تارکان وطن کو اسرائیل واپس لے یا ان کی جائدادوں کا مالی معاوضہ دے لیکن سب بے سود۔ تقریباً بیس لاکھ عرب اسی طرح لبنان، شام، اردن اور غازہ میں خانماں برباد پھر رہے ہیں۔ نہ ان کا گھر ہے نہ در۔ انجمن اقوام متحدہ ہی ان بے سہارا لوگوں کی خورد و نوش کا سامان کر رہی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسرائیل ایک چھوٹا سا ملک ہے لیکن وہ اتنی دیدہ دلیری سے انجمن اقوام کو کس شہ پر آنکھیں دکھا رہا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسرائیل جانتا ہے کہ اضلاع متحدہ امریکہ۔ برطانیہ اور کئی دوسری بڑی طاقتیں دل سے اسی کے ساتھ ہیں جون ۱۹۶۷ء کی جنگ میں عربوں کی شکست کے اسباب میں سے سب سے بڑا سبب ان کی اپنی نااتفاقی اور ان کا داخلی انتشار تھا اور دوسرے درجہ پر ایک بڑا سبب یہ تھا کہ بڑی طاقتوں مثلاً امریکہ و برطانیہ وغیرہ کی دلی ہمدردیاں اسرائیل کے ساتھ تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جون ۱۹۶۷ء کی جنگ میں اسرائیل نے تمام سابقہ غیر منقسم شدہ فلسطین پر قبضہ کر لیا و نہر سویز تک صحرائے سینا پر قابض ہو گیا اور پرانے یروشلم کو بھی ہتھیا لیا۔ در حقیقت اسرائیل صرف عربوں کے لئے ہی نہیں بلکہ تمام عالمِ اسلام کے لئے خطرہ ہے۔ جیسا کہ حکومت پاکستان اور سرکاری طور پر اور حکومت کے ذمہ دار افراد وقتاً فوقتاً بیان کر چکے ہیں کہ :-

"مشرق وسطےٰ میں عربوں کی شکست اور اسرائیلیوں کے مظالم ہر مسلمان کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہیں۔ دنیا کے مسلم ممالک اپنے ہم مذہب بھائیوں کے سوا دنیا میں اور کوئی دوست نہیں رکھتے"

بھارت کی ۱۹۶۵ء کی جارحانہ جنگ اور اسرائیل کا تازہ حملہ اس امر کے بدیہی ثبوت ہیں اسرائیل کے ہاتھوں عربوں کی شکست تمام عالم اسلام کی شکست ہے تمام مسلم حکومتوں کو چاہیئے کہ وہ فوراً اپنے دشمنوں کے خلاف متحدہ محاذ قائم کریں۔ معاہدہ استنبول ایک صحیح قدم ہے اور جو مسلم ممالک اس کے ممبر نہیں ہیں ان کو اس معاہدہ سے سبق حاصل کرنا چاہیئے۔

ہر مسلمان کو دنیائے اسلام کا شہری سمجھنا چاہیئے کیونکہ اسلام جغرافیائی اور نسلی حد بندیوں

پر اعتبار نہیں کرتا ہے۔

مآخذ

عرب دنیا — نجلا عزالدین

تاریخ انقلابات عالم حصہ اوّل — ابوسعید بزمی

انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم حصہ اوّل — تالیف ولیم ایل لینگر

ترجمہ و تہذیب غلام رسول مہر

نہر سویز کی جنگ

"نہر سویز کی جنگ اس لحاظ سے دورِ حاضر کی نرالی جنگ
ہے کہ حملہ آوروں کو چھ دن کے اندر لڑائی بند کرنا پڑی۔"

یوں تو حکومتِ برطانیہ کے دل میں اسی دن سے مصری حکومت کے خلاف غم و غصہ کے جذبات تھے جس دن اس کی فوج کا آخری سپاہی سرزمین مصر سے رخصت ہوا تھا۔ مگر جمال عبدالناصر نے جب نہر سویز کو قومی ملکیت بنانے کا اعلان کیا تو حکومت برطانیہ کی برہمی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اس سے بہت پہلے مصر و برطانیہ کے روابط انقطاع کی حد تک پہنچ چکے تھے اور انگریز کوئی ایسا بہانہ تلاش کر رہے تھے جس کا سہارا لے کر وہ مصر پر حملہ کر دیں اور جمال عبدالناصر کا خاتمہ کر کے کوئی ایسی حکومت قائم کریں جو ان کی مرضی پر چلے۔

اب جب جمال عبدالناصر نے نہر سویز کو قومی ملکیت بنانے کا اعلان کیا تو برطانیہ کو ایک موقعہ ہاتھ آ گیا۔ اس نے اپنے حلیف فرانس سے مشورہ لیا اور مصر پر حملہ کرنے کی ایک خوفناک سازش مکمل کر لی، جس میں اسرائیل کو بھی شریک کر لیا گیا۔

برطانوی اور فرانسیسی حکومتوں نے فوراً قومی ملکیت کے خلاف بڑے سخت الفاظ

میں ایک احتجاجی نوٹ تیار کیا، جسے سفیر مصر نے لینے سے انکار کر دیا۔ ۳۱ جولائی ۱۹۵۶ء کو برطانیہ کے وزیر اعظم سر انتھونی ایڈن نے احتیاطی تدابیر کا اعلان کر دیا۔ اور مشرقی بحیرۂ روم کی طرف فوجیں روانہ کر دیں اس کے ساتھ فرانس کو بھی اجازت دیدی کہ وہ اپنے فوجی دستے قبرص میں رکھ سکتا ہے۔ یہ سب کچھ دانستہ صدر ناصر کو خوفزدہ کرنے کے لئے کیا گیا۔

جب ناصر نے ۲۶ جولائی کو نہر سویز کو قومی ملکیت میں لینے کا اعلان کیا تو برطانیہ اور فرانس نے نہر میں جہازوں کی آمد و رفت کو ناکام بنانے کے لئے اپنے پائلٹ واپس بلائے۔ اس سے وہ یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ مصر سویز کمپنی کو چلانے کا سرے سے اہل ہی نہیں ہے اور سارا کام رک جائیگا۔ لیکن مصری انجینیروں، مستریوں اور مزدوروں نے نہر میں جہازوں کی آمد و رفت کو ممکن بنا کر ثابت کر دیا کہ وہ مغربی ماہرین پر بھروسہ کئے بغیر سارا کاروبار چلا سکتے ہیں۔

ایڈن نے ۱۶ اگست کو لندن میں ایک کانفرنس طلب کی۔ یہ کانفرنس جن حالات میں منعقد ہوئی ان کا اندازہ صرف اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۳۰ جولائی سے ۱۶ اگست تک کوئی ایسا دن نہیں گزرا تھا جب فرانس اور برطانیہ کے فضائی دستے اور بحری بیڑے مالٹا، قبرص اور دوسرے نامعلوم مقامات کے لئے روانہ نہ ہوئے ہوں۔ اس کانفرنس میں مصر پر دباؤ ڈالا گیا کہ وہ قومی ملکیت کی سکیم منسوخ کر دے اور جنگ کی دھمکی بھی دی گئی۔

اگر برطانیہ اور فرانس کی حکومتوں کا یہ خیال تھا کہ جنگ کی دھمکی سے مصر ڈر جائے گا تو ان کا یہ خیال غلط نکلا۔ اس پر برطانیہ نے نہر سویز کا مسئلہ انجمن اقوام متحدہ کی حفاظتی کونسل میں پیش کر دیا۔ ادھر مصری حکومت حفاظتی کونسل سے برابر یہ مطالبہ کر رہی تھی کہ مصر کے ساحل کے قریب برطانیہ و فرانس کا زبردست فوجی اجتماع امن عامہ کے لئے خطرہ کا باعث ہے اور یہ طاقتیں مصر پر حملہ کرنے کا کوئی بہانہ تلاش کر رہی ہیں۔ سویز کا مسئلہ ابھی حفاظتی کونسل

ہی میں تھا کہ اسرائیل کی فوجوں نے خطِ متارکہ جنگ کو پار کر کے مصر پر حملہ کر دیا۔ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اس حملہ کی پشت پر برطانیہ و فرانس کا ہاتھ تھا اور تینوں ملکوں نے خفیہ فیصلہ کے ماتحت یہ کارروائی کی تھی۔

۳۰ ؍ اکتوبر کو برطانیہ کے وزیر اعظم سر انتھونی ایڈن نے عجیب و غریب اعلان کیا کہ اگر مصر اور اسرائیل نے فوری طور پر لڑائی بند نہ کی تو برطانیہ و فرانس کی مشترکہ فوجیں مشرقِ وسطیٰ میں امن قائم رکھنے کے لئے سویز کے علاقہ پر قبضہ کریں گی۔ اس اعلان کے ساتھ ہی اسرائیل، فرانس اور برطانیہ کی فوجیں مصر پر ٹڈی دل کی طرح ٹوٹ پڑیں۔

مصر کو بھی قدرتاً میدان میں کودنا پڑا۔ یہ اس کی زندگی اور موت کا سوال تھا جب جنگ چھڑ گئی تو برطانیہ و فرانس کے حملہ آوروں کے خلاف دنیا کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ تک مخالفت کا طوفان کھڑا ہو گیا۔ مظاہرے کئے گئے۔ اور جلسوں میں مصر کی حمایت اور حملہ آوروں کی مذمت کی قرار دادیں منظور کی گئیں۔ عرب ممالک میں اس حملہ کا ردِ عمل مغربی ملکوں کے خلاف شدید نفرت اور عملی اقدامات کی صورت میں رونما ہوا۔ ۳۱ ؍ اکتوبر کو اس حملہ کی خبر ملتے ہی اردن کی حکومت نے ہنگامی حالات کا اعلان کر دیا اور عام لام بندی شروع ہو گئی۔ اردن نے برطانیہ اور فرانس سے اس حملہ کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے انہیں مصر کے خلاف اپنے ہوائی اڈہ کے استعمال سے روک دیا ۲ ؍ نومبر کو اردن کے شمال میں عراقی پٹرولیم کمپنی کی پائپ لائن بارود سے اڑا دی گئی۔ شام میں بھی یکم نومبر کو ہنگامی حالات کا اعلان کر کے رضاکاروں کی بھرتی شروع ہو گئی۔ اور اس نے برطانیہ و فرانس سے اپنے سفارتی تعلقات منقطع کر لئے اور اعلان کیا کہ شام، مصر و شام کے دفاعی معاہدہ کے ماتحت اپنی فوجیں مصری کمانڈر انچیف کے زیر کمان دے رہا ہے۔ تیل کی

پائپ لائن ٹوٹنے سے مغربی ملکوں کو تیل کی برآمدی معطل ہو گئی۔ سعودی عرب نے بھی ۶ نومبر کو برطانیہ و فرانس سے سفارتی تعلقات منقطع کر لئے۔ اس کے ساتھ ہی حکومت نے سعودی عرب سے بحرین تک تیل کی ترسیل روک دی۔ اور حکم جاری کیا کہ برطانیہ اور فرانس کے تیل بردار جہاز آئندہ سعودی عرب کی بندرگاہ کو استعمال نہ کر سکیں گے۔

مصر پر حملہ کے خلاف خود برطانیہ اور فرانس میں ہڑتالیں اور مظاہرے ہوئے۔ لوگوں نے خود اپنی حکومتوں کے خلاف علانیہ نفرت و ملامت کا اظہار کیا۔ برطانیہ کی نیشنل کونسل آف لیبر نے یکم نومبر کو ایک ہنگامی اجلاس میں اپنی حکومت کے خلاف ایک ملک گیر مہم چلانے کا فیصلہ کیا۔ اس کا نعرہ تھا۔ "جنگ نہیں قانون"۔ اس نے فوراً جنگ بند کرنے اور مشرقِ وسطیٰ کے تنازعہ کو اقوام متحدہ کے ذریعہ حل کرنے کا مطالبہ کیا۔ ۴ نومبر کو لندن میں ایڈن حکومت کے خلاف لیبر پارٹی کا زبردست جلسہ ہوا جس میں یہی مطالبات دہرائے گئے۔ مسٹر بیون نے تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

"ہم مصر سے زیادہ طاقتور ہیں۔ اور دوسرے ملک ہم سے بھی زیادہ طاقتور ہیں۔ کیا ہم اپنے متعلق وہی منطق تسلیم کر سکتے ہیں جس کا اطلاق ہم مصر پر کر رہے ہیں۔ اگر ہم سے زیادہ طاقت ور قومیں ایسا بے قانونی کا رویہ اختیار کریں اور لندن پر بمباری کریں تو ہمارے پاس اس کا کیا جواب ہے"

مسٹر گیٹسکل نے اپنی تقریر کے دوران میں کہا:۔

"حکومت برطانیہ نے جنگل کا قانون عائد کیا ہے اور روس بھی اس پر عمل پیرا ہو جائے گا۔ جنگل ایک خطرناک جگہ ہے اور ہم کو اس امر کا احساس ہو رہا ہے کہ برطانیہ و فرانس سے بھی زیادہ خطرناک جانور ادھر اُدھر پھر رہے ہیں"۔

جلسہ کے اختتام پر مظاہرین نے وزیراعظم کی قیام گاہ کا رُخ کیا۔ راستہ میں ہجوم کا پولیس سے تصادم ہوا۔ اور ۲۷ مظاہرین گرفتار کر لئے گئے۔ لبرل پارٹی نے ۲ نومبر کو ایڈن حکومت کے جارحانہ حملہ کی شدید مذمت کی وزیراعظم کی پالیسی کے خلاف خود ان کی پارٹی میں پھوٹ پڑ گئی اور دو وزیر اپنے عہدوں سے مستعفی ہو گئے۔

اس دوران میں سوویٹ روس کے وزیراعظم مارشل بلگانن نے حملہ آور ملکوں کو ایک مراسلہ بھیجا جس میں یہ واضح دھمکی تھی کہ روس تشدد کو روکنے کے لئے مؤثر کارروائی کرنے کو تیار ہے۔ اس نے ایڈن کو لکھا:۔

"برطانیہ کی اس وقت کیا حالت ہوتی، اگر اس پر اس سے زیادہ طاقتور ملک حملہ کرتے جن کے پاس ہر قسم کے جدید تباہ کن ہتھیار ہوتے اور اب بھی ایسے ملک ہیں جنہیں بحری اور فضائی فوج برطانیہ کے ساحلوں پر حملہ کرنے کے لئے بھیجنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بلکہ وہ اور ہتھیار استعمال کر سکتے ہیں۔ جیسے راکٹ، ہم نے پورا فیصلہ کر لیا ہے کہ جارحیت کو برباد اور طاقت سے کام لے کر مشرقِ وسطیٰ کے امن کو بحال کریں گے۔ ہمیں امید ہے کہ آپ اس نازک وقت میں ناعاقبت اندیشی سے کام نہ لیں گے اور اس مراسلہ سے ضروری نتائج اخذ کریں گے۔"

کہا جاتا ہے کہ اسے پڑھ کر ایڈن کی نیند اڑ گئی اور وہ تمام رات سو نہ سکے اور فرانس کے وزیراعظم سے مشورے کرتے رہے۔

اس سے قبل ۱۳ اکتوبر کو حفاظتی کونسل نے نہر سویز کے متعلق ایک چھ نکاتی قرارداد منظور کی تھی۔ برطانیہ اور مصر دونوں نے اسے مان لیا تھا۔ مگر

برطانیہ اور فرانس حقیقت میں کسی پُرامن تصفیہ کے خواہشمند نہیں تھے۔ چنانچہ ابھی اس قرار داد پر عمل بھی نہیں ہُوا تھا کہ انہوں نے اسرائیل کی آڑ لے کر مصر پر حملہ کر دیا۔ حفاظتی کونسل کو اک بار پھر حرکت میں آنا پڑا۔ ۳۱/ اکتوبر کو اس کا جلسہ منعقد ہُوا۔ لیکن برطانیہ نے روس اور امریکہ کی قرار داد کے خلاف حقِ تنسیخ استعمال کیا۔ یکم نومبر کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کا اجلاس ہُوا جس میں اسرائیل برطانیہ اور فرانس سے کہا گیا کہ فوراً مصر میں جنگ بند کر دیں۔ ساتھ ہی کینیڈا کی یہ تجویز بھی منظور ہوئی کہ مصر میں امن قائم کرنے کے لئے اقوام متحدہ کی فوج بنائی جائے۔ چنانچہ یہ تجویز مان لی گئی۔ اور اقوام متحدہ ایمرجنسی انٹرنیشنل فورس قائم کی گئی۔ جس کا کمانڈر جنرل برنز کو بنایا گیا۔

۱۵/ نومبر کو جنرل برنز مصر پہنچا۔ اقوام متحدہ کے مبصروں کی ایک جماعت اس سے دو دن پہلے ہی قاہرہ پہنچ چکی تھی۔ مگر حملہ آور آسانی سے مِصر سے نکلنے والے نہ تھے۔ چنانچہ مسٹر ایڈن نے ۲۴/ نومبر کو دارالعوام میں اعلان کیا کہ حکومت مِصر نے نہر سویز کو جان بوجھ کر بند کر رکھا ہے۔ نہر کی صفائی کے بارے میں اقوامِ متحدہ کے سیکرٹری جنرل کی رپورٹ قابل اطمینان نہیں ہے۔ اس لئے برطانوی حکومت اس وقت تک مصر سے اپنی فوجیں باہر نہیں نکالے گی جب تک اقوامِ متحدہ کے اعلان کردہ مقاصد پورے نہیں ہو جاتے۔ لیکن سیکرٹری جنرل کے اس اعلان کے بعد کہ نہر کی صفائی اُقوام متحدہ اپنی نگرانی میں کرائے گی۔ کیونکہ حکومت مصر خود بھی اس کی خواہشمند ہے۔ انگریز دل اور ان کے ساتھیوں کے لئے مصر سے واپس جانے

کے سوا کوئی راستہ نہ رہا۔ ۲۳ دسمبر تک ان کا ایک ایک سپاہی مصر خالی کر گیا۔ مسٹر ایڈن کو اس شکست کا بڑا صدمہ ہوا۔ اور ان کے اعصاب پر ایسا اثر پڑا کہ انہوں نے وزارتِ عظمیٰ سے استعفیٰ دے دیا۔

جنگ سویز کے متعلق ناصر نے اپنی ایک تقریر میں کہا:۔

"۳۰ اکتوبر ۱۹۵۶ء کو تاریخ کا سب سے مضحکہ خیز الٹی میٹم یعنی وہ اینگلو فرنچ الٹی میٹم ہمیں ملا، جس میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ پورٹ سعید، اسماعیلیہ اور سویز اٹھارہ گھنٹے کے اندر اندر ہم برطانیہ اور فرانس کے حوالہ کر دیں۔ ہم ۳۱ اکتوبر کو انگریزی، فرانسیسی اور اسرائیلی حملوں کی مدافعت کے لئے بھڑ گئے۔ ۳۰ اکتوبر سے ۲ نومبر تک اسرائیل ابو جمیلہ میں ہمارے حفاظتی ناکوں پر حملے کرتا رہا۔ ان دنوں میں جو فضائی جنگیں ہوئیں، ان میں پورٹ سعید کی جنگ میں ہمیں نقصان ضرور اٹھانا پڑا۔ لیکن اس لڑائی نے مصری عوام کی بے جگری اور دلیری واضح کر دی۔"

نہر سویز کی جنگ اس لحاظ سے دورِ حاضر کی نرالی جنگ ہے، کہ حملہ آوروں کو چھ دن کے اندر لڑائی بند کرنا پڑی اور مصر کی سرزمین خالی کرنا پڑی۔ برطانیہ اور فرانس نے اس منصوبہ کے تحت مصر پر حملہ کیا تھا کہ اس سے وہاں انتشار اور بدنظمی پھیل جائے گی، ناصر کی حکومت کا تختہ الٹ دیا جائے گا، اور وہاں اپنے مطلب کی کوئی حکومت بنا دی جائے گی جس کے ساتھ نہر سویز کے بارے میں ایک نیا معاہدہ

کرلیا جائیگا۔ اس سے مغربی طاقتوں کی ساکھ جسے ناصر کی وجہ سے بڑا دھکا لگایا گیا تھا مشرقِ وسطیٰ میں دوبارہ جم جائے گی۔ لیکن نہر سویز کے معرکۂ جنگ میں اہلِ مصر نے جس حب الوطنی اور شجاعت کا ثبوت دیا تو آزاد اقوام اسے کبھی فراموش نہیں کریں گی۔ اگر مصر دب کر مصالحت پر آمادہ ہوجاتا تو نہ صرف سویز اور مصر کی آزادی ختم ہوجاتی۔ بلکہ ممالکِ مشرقِ وسطیٰ کے مفاد کو بھی سخت نقصان پہنچتا جو مغربی اثر و اقتدار سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔[1]

ماخذ

مصر: عہدِ فاروقی سے جمال عبدالناصر تک	سید نصیر احمد
مصر	جی۔ اے۔ رٹل
اخبار ٹائم	اکتوبر، نومبر ۱۹۵۶ء کے شمارے

---

[1] جون ۱۹۶۷ء میں تین اسرائیل نے جو غزہ اور عربوں کے دوسرے علاقوں پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا اور جس کا حوالہ اس سے پہلے مضمون میں آچکا ہے اس کے نتیجے میں نہر سویز کا مشرقی کنارہ اسرائیل کے قبضہ میں ہے اور یہ سمجھنا چاہیئے کہ جنگ جاری ہے۔

خُطبہ حجۃُ الوَداع

(۱) یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اِنِّی لَا اَرَانِی وَاِیَّاکُمْ نَجْتَمِعُ فِیْ ھٰذِہِ الْمَجْلِسِ اَبَدًا ۔

(۱) لوگو! میں خیال کرتا ہوں کہ آئندہ میں اور تم کبھی اس مجلس میں اکٹھے نہ ہوں گے

(۲) اِنَّ دِمَاءَکُمْ وَاَمْوَالَکُمْ وَاَعْرَاضَکُمْ حَرَامٌ عَلَیْکُمْ کَحُرْمَۃِ یَوْمِکُمْ ھٰذَا فِیْ بَلَدِکُمْ ھٰذَا فِیْ شَھْرِکُمْ ھٰذَا

(۲) لوگو! تمہارے خون تمہارے مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر ایسی ہی حرام ہیں جیسا کہ تم آج کے دن کی" اس شہر کی۔ اس مہینہ کی حرمت کرتے ہو

(۳) وَسَتَلْقَوْنَ رَبَّکُمْ فَیَسْأَلُکُمْ عَنْ اَعْمَالِکُمْ اَلَا فَلَا تَرْجِعُوْا بَعْدِیْ ضُلَّالًا یَضْرِبُ بَعْضُکُمْ رِقَابَ بَعْضٍ

(۳) لوگو! تمہیں عنقریب خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی بابت سوال فرمائے گا۔ خبردار میرے بعد گمراہ نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو

(۴) اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مِّنْ اَمْرِ الْجَاھِلِیَّۃِ تَحْتَ قَدَمَیَّ مَوْضُوْعٌ وَدِمَاءُ الْجَاھِلِیَّۃِ مَوْضُوْعَۃٌ وَاِنَّ اَوَّلَ دَمٍ اَضَعُ مِنْ دِمَائِنَا دَمُ ابْنِ رَبِیْعَۃَ ابْنِ الْحَارِثِ کَانَ مُسْتَرْضِعًا فِیْ بَنِیْ سَعْدٍ فَقَتَلَتْہُ ھُذَیْلٌ ۔۔

لوگو! جاہلیت کی ہر ایک بات میں اپنے قدموں کے نیچے پامال کرتا ہوں۔ جاہلیت کے قتلوں کے تمام جھگڑے ملیا میٹ کرتا ہوں۔ پہلا خون جو میرے خاندان کا ہے یعنی [ربیعہ بن حارث کا خون جو بنی سعد میں دودھ پیتا تھا اور ہذیل نے اسے مار ڈالا تھا میں چھوڑتا ہوں۔

(۵) وَرِبَا الْجَاھِلِیَّۃِ مَوْضُوْعٌ وَاَوَّلُ رِبًا اَضَعُ رِبَانَا رِبَا عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَاِنَّہٗ مَوْضُوْعٌ کُلُّہٗ ۔

جاہلیت کے زمانہ کا سود ملیا میٹ کر دیا گیا۔ اور پہلا سود اپنے خاندان کا جو میں مٹاتا ہوں۔ وہ عباس ابن مطلب کا سود ہے وہ سارے کا سارا چھوڑ دیا گیا

(۴) فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَاءِ فَإِنَّكُمْ
أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانِ اللّٰهِ وَ
اسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰهِ
وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَلَّا يُوطِئْنَ
فُرُشَكُمْ أَحَدًا تَكْرَهُونَهُ فَإِنْ
فَعَلْنَ ذٰلِكَ فَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ
وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِا
لْمَعْرُوفِ — وَقَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ
مَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ إِنِ اعْتَصَمْتُمْ
بِهِ كِتَابَ اللّٰهِ — يَا أَيُّهَا النَّاسُ
إِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي وَلَا أُمَّةَ بَعْدَكُمْ
أَلَا فَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَصَلُّوا خَمْسَكُمْ
وَصُومُوا شَهْرَكُمْ وَأَدُّوا زَكوٰةَ أَمْوَالِكُمْ
طَيِّبَةً بِهَا أَنْفُسُكُمْ وَتَحُجُّونَ بَيْتَ
رَبِّكُمْ وَأَطِيعُوا وُلَاةَ أَمْرِكُمْ...
تَدْخُلُوا جَنَّةَ رَبِّكُمْ —
وَأَنْتُمْ تُسْئَلُونَ عَنِّي فَمَا أَنْتُمْ قَائِلُونَ

لوگو اپنی بیویوں کے متعلق اللہ سے ڈرتے رہو خدا
کے نام پر کی ذمہ داری سے تم نے ان کو بیوی بنایا اور
خدا کے کلام سے تم نے ان کا جسم اپنے لئے حلال بنایا ہے
تمہارا حق عورتوں پر اتنا ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی
غیر کو (کہ اس کا آنا تم کو ناگوار ہے) نہ آنے دیں لیکن
اگر وہ ایسا کریں کہ ان کو ایسی مار مارو جو نمودار نہ ہو
عورتوں کا حق تم پر یہ ہے کہ تم ان کو اچھی طرح کھلاؤ
اچھی طرح پہناؤ —— لوگو! میں تم میں وہ
چیز چھوڑ چلا ہوں۔ کہ اگر اسے مضبوط پکڑ لو گے
تو کبھی گمراہ نہ ہو گے وہ قرآن اللہ کی کتاب ہے۔
لوگو! نہ تو میرے بعد کوئی پیغمبر ہے اور نہ کوئی
امت پیدا ہونے والی ہے۔ خوب سن لو کہ اپنے پروردگار
کی عبادت کرو۔ اور پنجگانہ نماز ادا کرو۔ سال بھر میں ایک
مہینہ رمضان کے روزے رکھو، مالوں کی زکوۃ نہایت دلی
خوشی کے ساتھ دیا کرو۔ خانہ خدا کا حج بجا لاؤ اور اپنے اولیائے
امور حکام کی اطاعت کرو جس کی جزا یہ ہے کہ تم پروردگار
کے فردوس بریں میں داخل ہو گے۔ لوگو! قیامت کے دن تم سے
میری بابت بھی دریافت کیا جائیگا۔ مجھے ذرا بتا دو۔ کہ تم کیا جواب دو گے؟

قَالُوا نَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ — سب نے کہا ہم اس کی شہادت دیتے ہیں کہ آپ نے اللہ کے احکام
وَأَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ — ہم کو پہنچا دیے آپ نے رسالت و نبوت کا حق ادا کر دیا آپ نے ہم کو کھوٹے کھرے
کی بات اچھی طرح سمجھا دیا۔

فَقَالَ بِاَصْبَعِہِ السَّبَّابَۃِ یَرْفَعُھَا اِلَی السَّمَآءِ وَیَنْکُتُھَا اِلَی النَّاسِ ـــــ

اس وقت، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشت شہادت کو اٹھایا۔ آسمان کی طرف انگلی کو اٹھاتے تھے اور پھر لوگوں کی طرف جھکاتے تھے۔ (فرماتے تھے)

اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ

اے خدا سن لے (تیرے بندے کیا کہہ رہے ہیں)
اے خدا گواہ رہنا کہ یہ لوگ کیا گواہی دے رہے ہیں
اے خدا شاہد رہ کہ یہ سب کیسا صاف اقرار کر رہے ہیں۔ ۳ بار ارشاد فرمایا

اَلَا لِیُبَلِّغِ الشَّاھِدُ الْغَائِبَ فَلَعَلَّ بَعْضَ مَنْ یُّبَلِّغُہٗ اَنْ یَّکُوْنَ اَوْعٰی لَہٗ مِنْ بَعْضٍ مَنْ سَمِعَہٗ۔

دیکھو جو لوگ موجود ہیں وہ ان لوگوں کو جو موجود نہیں ہیں۔ ان کو تبلیغ کرتے رہیں۔ ممکن ہے کہ بعض سامعین سے وہ لوگ زیادہ تر اس کلام کو یاد رکھنے اور حفاظت کرنے والے ہوں جن پر تبلیغ کی جائے۔

اَیُّھَا النَّاسُ! اَلَا اِنَّ رَبَّکُمْ وَاحِدٌ وَّ اِنَّ اَبَاکُمْ وَاحِدٌ اَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِیٍّ عَلٰی عَجَمِیٍّ وَلَا لِعَجَمِیٍّ عَلٰی عَرَبِیٍّ۔ وَلَا اَحْمَرَ عَلَی الْاَسْوَدِ وَلَا اَسْوَدَ عَلٰی اَحْمَرَ اِلَّا بِالتَّقْوٰی (مسند امام احمد حنبل)

لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے۔ تمہارا باپ ایک ہے۔ ہاں عربی کو عجمی پر عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں۔ مگر تقویٰ کے سبب سے

اس کے بعد آپؐ نے چند اصولی احکام کا اعلان فرمایا۔

اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ اَعْطٰی کُلَّ ذِیْ حَقٍّ حَقَّہٗ فَلَا وَصِیَّۃَ لِوَارِثٍ اَلْوَلَدُ

خدا نے ہر حق دار کو (از روئے وراثت) اس کا حق دیدیا اب کسی کو وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں۔ لڑکا

نوٹ:- عین اس وقت جب آپ یہ فرض نبوت ادا کر رہے تھے یہ آیت اتری

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔

ترجمہ! آج میں نے تمہارے لئے دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے مذہب اسلام کو انتخاب کر لیا۔ صحیح بخاری مسلم و ابوداؤد وغیرہ ابن سعد میں تصریح خاص ہے

لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ حِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰہِ۔ — اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا۔ زناکار کے لئے پتھر ہے اور ان کا حساب خدا کے ذمہ ہے۔

مَنِ ادَّعٰی اِلٰی غَیْرِ اَبِیْہِ وَانْتَمٰی اِلٰی غَیْرِ مَوَالِیْہِ فَعَلَیْہِ لَعْنَۃُ اللّٰہِ — جو لڑکا اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کے سبب سے ہونے کا دعویٰ کرے اور جو غلام اپنے مولیٰ کے سوا کسی اور طرف اپنی نسبت کرے (اس پر خدا کی لعنت ہے۔

اَلَا لَا یَحِلُّ لِامْرَءَۃٍ اَنْ تُعْطِیَ مِنْ مَالِ زَوْجِھَا شَیْئًا اِلَّا بِاِذْنِہٖ اَلدَّیْنُ مَقْضِیٌّ وَالْعَارِیَۃُ مُؤَدَّاۃٌ وَالْمِنْحَۃُ مَرْدُوْدَۃٌ وَالزَّعِیْمُ غَارِمٌ۔ اَلَا لَا یَجْنِیْ جَانٍ اِلَّا عَلٰی نَفْسِہٖ اَلَا لَا یَجْنِیْ جَانٍ عَلٰی وَلَدِہٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ عَلٰی وَالِدِہٖ (ابن ماجہ ترمذی) — ہاں عورت کو اپنے شوہر کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر کچھ دینا جائز نہیں۔ قرض ادا کیا جائے عاریت واپس کی جائے عطیہ لوٹایا جائے۔ ضامن تاوان کا ذمہ دار ہے۔ ہاں مجرم اپنے جرم کا آپ ذمہ دار ہے ہاں باپ کے جرم کا ذمہ دار بیٹا نہیں اور بیٹے کے جرم کا ذمہ دار باپ نہیں۔ (ابن ماجہ ترمذی)

اِنْ اُمِّرَ عَلَیْکُمْ مُجَدَّعٌ اَسْوَدُ یَقُوْدُکُمْ بِکِتَابِ اللّٰہِ فَاسْمَعُوْا لَہٗ وَاَطِیْعُوْا۔ (صحیح مسلم) — اگر کوئی حبشی بینی بریدہ (یا کان کٹا) غلام کالے رنگ کا تمہارا امیر ہو اور وہ تم کو خدا کی کتاب کے مطابق لے چلے تو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو۔

اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ وَمَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ ؕ

نوٹ:۔ اس ٹرسٹ کی طرف سے جتنی کتابیں شائع ہو رہی ہیں۔ ان کے آخر میں نبی اکرم ﷺ کا یہ آخری خطبہ بطور وصیت دیا جا رہا ہے میں یقین رکھتا ہوں کہ قارئین اس پر خاص توجہ دیتے رہینگے۔

کتبہٗ قریشی رقم نظام آبادی

(رمنو مسجد متصل قلعہ گوجر سنگھ)

مطبوعات بیگم ہمایوں ٹرسٹ (رجسٹرڈ) لاہور

(۱) فضائل صحابہ و اہل بیت : مصنفہ حضرت شاہ عبد العزیز رح خلف الرشید امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رح - یہ شاہ صاحب کی وہ نادر تصنیف ہے جو انہوں نے مسلمانوں کے انتہائی انحطاط کے زمانے میں احیائے اسلام کے لئے فارسی زبان میں لکھی تھی - اب ہم متن کے ساتھ اسے اردو زبان کا جامہ بھی پہنا رہے ہیں - محمد ایوب قادری صاحب ، ایم - اے نے بڑی کاوش سے مقدمہ لکھا ہے -
قیمت : ۷٫۵۰ روپے

تراجم مولانا عبدالرحیم کلاچوی ، سابق پروفیسر اسلامیہ کالج ، پشاور
(مترجم حجة اللہ البالغہ از شاہ ولی اللہ)

(۲) مکتوبات امام ربانی (اردو) مع مختصر سوانح عمری حضرت مجدد الف ثانی سرہندی رح - مولانا عبد الرحیم نے چند مکتوبات کے تراجم اس طرح سلیس زبان میں کئے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی رح کی ہو بہو تصویر اور شخصیت سامنے آ جاتی ہے - کتاب کا ادبی کمال اس میں ہے کہ حاشیہ میں تصوف کی اصطلاحات واضح کرتے چلے جاتے ہیں - قیمت : ساڑھے تین روپے

(۳) جواہرالعلوم : مع مقدمہ از مولانا عبدالسلام ندوی - مولانا عبدالرحیم نے علامہ جوہری طنطاوی کی ایک مشہور عربی کتاب کا اردو ترجمہ کر کے ملک و ملت پر احسان کیا ہے - علامہ جوہری طنطاوی مصر کے مشہور علماء میں سے ہیں جن کے علمی تبحر کا اندازہ ان کی تفسیر الجواہر کے مطالعے سے بخوبی ہو سکتا ہے - ان کی یہ کتاب قرآنی آیات متعلقہ مناظر قدرت کی تفسیر ہے اور ایسے دلچسپ پیرایہ میں لکھی گئی ہے کہ پڑھنے والے کا دل نہیں چاہتا کہ اسے ختم کئے بغیر چھوڑ دے - قیمت : ۶٫۵۰

(۴) جامع الآداب : ایک مصری کتاب ”آداب الفتیٰ“ کا اردو ترجمہ ہے اور معاشرہ کے ہر پہلو اور آداب اسلامیہ پر مشتمل ہے ، نہایت آسان اور دلچسپ پیرائے میں لکھی گئی ہے - قیمت : چار روپے

۶۵ - ریلوے روڈ ، لاہور

طباعت سرورق رہن پریس لمیٹڈ ، لاہور